جلد ۸۱ | اپریل ۱۹۷۴ء | عدد ۲

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مرتبہ

ابوالاعلیٰ مودودی

ادارۂ ترجمان القرآن اچھرہ لاہور

ترجمان القرآن لاہور

فہرست مضامین

عدد ۲	اپریل ۱۹۷۴ء مطابق ربیع الاول ۱۳۹۴ھ	جلد ۸۱

ماهنامه ترجمان القرآن لاهور

۵ - اے ذیلدار پارک ، اچھرہ - لاہور

زرِ سالانہ دس روپے - فی پرچہ ایک روپیہ

ابوالخیر مودودی پبلشر نے پاکستان پرنٹنگ ورکس لاہور میں چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا - پرنٹر: محمد شفیع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

دنیا کی کسی انقلابی تحریک کو اگر کسی اجتماعی جدوجہد سے تشبیہ دی جاسکتی ہے تو وہ کسی قافلے کا ایک خاص منزلِ مقصود کی طرف رواں دواں ہونا ہے۔ قافلے کو ترتیب دینے والا سب سے پہلے منزل کا تعین کرتا ہے۔ پھر اس منزل تک رسائی میں جو مادی اور روحانی کامرانیاں اسے نظر آتی ہیں ان سے عامۃ الناس کو روشناس کراتا ہے اور انہیں زیرِ ترتیب قافلے میں شریک ہونے کی دعوت دیتا ہے۔ پھر جب قافلہ چلنے کے لیے تیار ہوتا ہے تو اس کے لیے زادِ راہ کا انتظام کرتا ہے، شرکاءِ قافلہ کی صلاحیتوں، استعدادِ کار اور جذبہ و شوق اور مقصد کے ساتھ لگن کا جائزہ لیتا ہے۔ اور انہیں اس راہ کے نشیب و فراز سمجھاتا ہے اور اس راہ پر پہلے جو قافلے گامزن ہو چکے ہیں اُن کی کامیابیوں اور ناکامیوں اور ان کے اسباب و علل سے انہیں پوری طرح آگاہ کرتا ہے۔ اور اس راہ میں جو حوادث اور مصائب خاص خاص مقامات پر اُسے پیش آسکتے ہیں اُن کی نشاندہی کرتا ہے۔

جماعت اسلامی اپنی ساری کمزوریوں اور کوتاہیوں کے اعتراف کے باوجود کسی فخر کی بناء پر نہیں بلکہ بڑے انکسار کے ساتھ یہ بات علیٰ وجہ البصیرت کہتی ہے کہ اس کی منزلِ مقصود وہی ہے جو انبیاء علیہم السلام کی تھی اور جس کا نہایت واضح طور پر تعین خاتم المرسلین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور اس کے کارکن اس منزل تک پہنچنے کے لیے اپنی حد تک اُسی جادہ مستقیم پر گامزن ہونے کی کوشش کر رہے ہیں، جس پر پاکباز لوگوں نے چل کر منعم حقیقی کی رضا اور خوشنودی حاصل کی اور دنیا اور آخرت میں اس کی نعمتوں سے بہرہ ور ہوئے اور ان خوفناک راستوں سے بچنے کے لیے فکرمند رہتے ہیں جو ضلالت اور گمراہی کی طرف لے جانے والے اور خدا کے غضب کو برانگیختہ کرنے والے ہیں۔

جماعت اسلامی کی جدوجہد کا مقصد بجز اس ایک مقصد کے اور کوئی نہیں کہ انسان کو انسان کی

غلامی سے آزاد کرا کر اپنے خالق اور مالک کا غلام بن کر رہنے کا سلیقہ سکھایا جائے۔ خداوند تعالیٰ کی بندگی اور اس کی غلامی اگرچہ بڑی دلکش اصطلاحیں ہیں اور انسان ان کی دلکشی سے مسحور ہو جاتے ہیں لیکن جب کوئی شخص قرآن و سنت کی روشنی میں ان کے مضمرات پر غور کرتا ہے اور تاریخ کے دریچے سے اُن لوگوں کے مصائب و شدائد پر نگاہ دوڑاتا ہے جو بندگیِ رب کے علمبردار بن کر اٹھے تو پھر پہاڑ پر قرآن حکیم کے نزول سے اس کے لرزاں و ترساں ہونے کا عقدہ کسی حد تک کھل جاتا ہے۔ اگر بندگیِ رب محض ایک تصور اور نظریہ ہوتا تو پھر یہ کسی وجہ سے بھی باعث اضطراب نہ تھا۔ نہ اس نظریہ کے اپنانے والوں کو اس کی عظیم ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے لرزہ براندام ہونے کی ضرورت پیش آتی اور نہ اس نظریہ کے مخالفین کو اس سے کوئی ایسا شدید خطرہ لاحق ہوتا جس سے اُن کی نیندیں حرام ہو جائیں۔ اس نظریہ کے قبول کرنے والے محض ذہنی آسودگی کی خاطر اسے قبول کرتے اور اس کے مخالفین جذبہ رواداری کے تحت اسے بخوشی برداشت کرتے۔ بندگیِ رب کے دعویٰ میں اصل مشکل کا آغاز وہاں سے ہوتا ہے جہاں یہ عقیدہ انسان سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ تم ساری بندگیوں کو چھوڑ کر خواہ یہ بندگی وقت کے جباروں اور قہاروں کی ہو، سرمایہ داروں اور زرداروں کی ہو یا عوام کے مذہبی جذبات سے ناجائز فائدہ اٹھانے والوں کی ہو، یا اپنے مفادات اور اپنے نفس کی ہو، خدائے واحد کی بندگی اختیار کرو۔ اسلام کا کلمہ طیّبہ گو نہایت ہی مختصر سا کلمہ ہے لیکن اس میں ایک مسلمان پر احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے سلسلے میں جو غیر معمولی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں انہیں بڑی خوبصورتی کے ساتھ سمیٹ دیا گیا ہے۔ بندگیِ رب کا دعویدار اس کلمہ کو زبان سے ادا کر کے اس عزم کا خلوصِ دل سے اظہار کرتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے ہر چھوٹے بڑے معاملے میں تمام معبودانِ باطل کی غلامی کا جوا اتار کر خدائے واحد کی غلامی اختیار کرے گا کیونکہ یہی اس کے نزدیک خالق کا بندہ ہونے کی حیثیت سے اس کے لیے صحیح راستہ ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ باطل کی ہر صورت کو مٹانے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دے گا۔ یہ کلمہ اگر بندۂ مومن کے لیے قوت و طاقت کا سرمدی سرچشمہ ہے تو معبودانِ باطل کے لیے خوفناک چیلنج بھی ہے جسے سنتے ہی اُن کے حلقوں میں کھلبلی مچ جاتی ہے۔ اور باطل اپنے سارے ساز و سامان کے ساتھ میدان میں اتر پڑتا ہے۔ حق جس قدر قوت کے ساتھ آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے باطل اسی شدت کے ساتھ اس کی مزاحمت کرتا ہے۔ لیکن تاریخ کا فیصلہ یہی ہے کہ باطل اہلِ حق کے لیے سخت مصیبت اور آزمائش کا باعث تو بنتا ہے مگر اس کی پیش قدمی کو روک نہیں سکتا۔ بشرطیکہ اہلِ حق نے اس راہ کی دشواریوں کو دیکھ کر خود ہمت نہ ہار دی ہو۔

ہمارے پیشِ نظر اس وقت حق و باطل کی باہمی آویزش کی پوری تاریخ دہرانا نہیں بلکہ اس قافلے کی طے کردہ چند منازل کی نشاندہی مقصود ہے جو پاکستان بلکہ پوری دنیا میں جماعت اسلامی کے نام سے متعارف و معروف ہے۔ اس قافلہ کے سالار نے سب سے پہلے مسلمانوں کو بندگیِ رب کے حقیقی مفہوم اور اس کے مقتضیات سے ایک داعیِ حق کے جوش، تدبر اور دلسوزی کے ساتھ آشنا کیا اور انہیں یہ بتایا کہ دینِ حق خدا اور بندے کے درمیان کوئی ذاتی تعلق ہی نہیں بلکہ یہ پوری زندگی کو حق پرستی کی بنیاد پر استوار کرنے کا جامع پروگرام ہے اور اس وجہ سے باطل کی ہر صورت کے لیے بربادی اور موت کا پیغام ہے۔ مسلمانوں نے اپنے مذہبی جذبات کی تسکین کے لیے باطل کے اندر اسلام کے لیے جو مختلف گوشہ ہائے عافیت تلاش کرنے کی کوششیں کی ہیں یا اس سے مصالحت کے لیے انہوں نے جو مختلف راستے نکال رکھے ہیں ان سے وہ مقصد پورا نہیں ہوتا جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے دین کو نازل فرمایا ہے۔ جس طرح روشنی اور تاریکی یک جا نہیں ہو سکتیں بالکل اسی طرح حق و باطل ایک دوسرے کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ جہاں حق ہوگا وہاں باطل کے لیے کوئی گنجائش نہ ہوگی اور اسے بہر طور وہاں سے اپنی بساط لپیٹنی ہی پڑے گی خواہ وہ معمولی مزاحمت کے ساتھ یہ کام کرے یا پوری طرح پنجہ آزمائی کرکے پسپائی اختیار کرے۔

تحریکِ اسلامی کے قافلہ سالار نے جب مسلمانوں کو دینِ حق کے اس انقلاب انگیز تصور سے آشنا کیا جسے وہ کچھ عرصہ سے بھول چکے تھے تو اس کا مختلف حلقوں میں مختلف ردعمل ہوا۔ بعض نے کہا یہ شخص دینِ حق کو ایک دنیوی تحریک کی صورت میں چلانے کی مذموم کوشش کر رہا ہے۔ بعض لوگ جن کے ذہنوں میں یہ بات اچھی طرح رچ بس چکی تھی کہ دین محض نماز روزے اور چند اخلاقی پابندیوں کا نام ہے انہوں نے اس دعوت کو کسی نئے دین کی تشکیل تصور کیا اور اسے فتنہ سمجھتے ہوئے اس سے خائف ہونے لگے۔ اس وقت کے ایک نہایت ہی واجب الاحترام صاحبِ حال اور صاحبِ قال بزرگ، جو کسی پر الزام دھرنے کے معاملہ میں اپنے حلقے کے دوسرے اہلِ علم کی بہ نسبت کہیں زیادہ محتاط سمجھے جاتے تھے، ان کے سامنے جب اس تحریک کی بنیادی کتب پیش کی گئیں اور ان سے مطالعہ اور اپنی رائے ظاہر کرنے کی درخواست کی گئی تو انہوں نے ان تحریروں کا جائزہ لینے کے بعد ارشاد فرمایا۔ میں ان میں کسی صریح غلطی کی تو نشاندہی نہیں کر سکتا۔ البتہ دل ان باتوں کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہو رہا۔

جماعت اسلامی کے قائد اور اس کے افکار و تصورات کے بارے میں جو کچھ بھی پاکستان اور بھارت میں لکھا گیا ہے اس کے معتد بہ حصے کے مطالعہ کا مجھے موقع ملا ہے اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جن اصحاب علم نے خلوص اور دیانت داری کے ساتھ جماعت اسلامی کی دعوت سے اختلاف کیا ہے اس کی سب سے بڑی وجہ دین کا وہ جامع تصور ہے جسے مولانا نے مسلم قوم کے دور انحطاط میں پیش کیا ہے اور جو عام مذہبی ذہن کو اپیل نہیں کرتا۔ ابتلاء اور انحطاط کے دور میں عوام عافیت کے گوشے اور حالات کے دھارے کے ساتھ آرام اور سکون کے ساتھ بہنے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ اور اہل مذہب نے اس کا ہمیشہ یہی ایک حل پیش کیا ہے کہ روح کی تسکین کے لیے عبادت اور گیان دھیان تو مذہب کے مطابق کر لیا جائے اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں غالب نظام حیات کی پیروی کی جائے۔ اس سے روح کو بھی غلط یا صحیح ایک طرح کی غذا فراہم ہوتی رہتی ہے اور انسان بغیر کسی تصادم یا بہت بڑی آزمائش کے باطل کی تجوریوں سے فائدہ بھی اٹھاتا رہتا ہے۔ اور "باغبان بھی خوش رہے اور راضی رہے صیاد بھی"، کی ذہنی کیفیت کے ساتھ زندگی گزارنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب اس ذہنی کیفیت پر لوگوں کو جھنجھوڑا جائے اور انہیں یہ بتایا جائے کہ جس چیز کو تم روحانی سکون اور دنیوی کامیابی قرار دے رہے ہو یہ اللہ کے دین سے یکسر مغائرت رکھتی ہے تو لوگوں کا اس پر برہم ہونا بالکل فطری امر ہے۔ البتہ علمائے کرام سے اس کی توقع نہ کی جاسکتی تھی مگر افسوس کہ انہوں نے بھی اس دعوت پر سنجیدگی سے غور کر کے اس کا ساتھ دینے کے بجائے یا تو معنی خیز سکوت اختیار کیا یا پھر اس شدومد سے مخالفت شروع کی گویا یہ کوئی نیا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا تھا جس کا مٹانا ان کا فرض تھا۔

حلقہ علماء سے باہر جو لوگ اہل فرنگ کی زیادہ سے زیادہ وفاداری بلکہ اُس کی بندگی کے ذریعے مسلم قوم کے لیے دنیوی فوائد حاصل کرنے میں منہمک تھے اور اسے اپنی دانست میں بہت بڑی ملی خدمت خیال کرتے تھے انہوں نے بھی تحریک اسلامی کی دعوت کو ملت دشمنی سے تعبیر کیا اور روشن خیال مسلمانوں کو یہ کہہ کر اس سے بدظن کرنے کی کوشش کی کہ اس تحریک کا داعی قرآن مجید کی آیت اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ج کا سہارا لے کر تمہیں سرکارِ انگریزی کی برکات سے محروم رکھنا چاہتا ہے اس لیے تمہیں اس کی آواز پر کوئی توجہ نہ دینی چاہیئے۔ اگر تم نے انگریز سے عدم تعاون کی روش اختیار کر لی تو دوسری قومیں اس سے فائدہ اٹھا کر اس کی منظور نظر بن جائیں گی اور اس طرح تمہارے حصے کے دنیوی فوائد بھی اُن کی جھولی میں

ڈال دیئے جائیں گے۔

اس دعوت کا ردعمل یوں تو زندگی کے ہر میدان میں ظاہر ہوا مگر سیاسی میدان میں یہ خاص طور پر شدید جھٹکوں کی صورت میں نمودار ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب مولانا محترم نے تحریک اسلامی کی بنیاد رکھی اس وقت وطنی قومیت کی تحریک اپنے شباب پر تھی اور مسلم قومیت کا قافلہ بھی ابتدائی منازل طے کر کے جدوجہد کے وسیع میدانوں میں داخل ہو رہا تھا۔ وطنی قومیت کے بت پر جب انہوں نے ضرب کاری لگائی اور لوگوں کو بتایا کہ مغرب میں نیشلزم کی تحریک پروان چڑھنے سے یا دوسرے لفظوں میں وطن کو خدا بنانے سے انسانیت کو کس قسم کے ناقابل بیان مصائب سے دوچار ہونا پڑا ہے اور ہندوستان میں اس تحریک کے جلو میں کس قسم کی بربادیاں آنے والی ہیں تو اس نیم براعظم کے تسلیم الفطرت افراد کی ایک معقول تعداد نے اس موضوع پر سوچنا شروع کیا اور اس کی تباہ کاریوں سے ملک کو بچانے کے لیے مشورے ہونے لگے لیکن جو لوگ اس تحریک کے سرخیل تھے اُن کے سامنے چونکہ انسانیت کی فلاح و بہبود کے بجائے ہندوستان میں ہندو قوم کا تسلط اور غلبہ تھا اور یہ مقصد وطنی قومیت کی تحریک ہی سے بطریق احسن پورا ہونے کی توقع کی جا سکتی تھی اس لیے انہوں نے مولانا محترم کی آواز کو ہر طرح سے دبانے کی کوشش کی اور پوری قوت کے ساتھ عوام کے اندر یہ تاثر پھیلایا کہ یہ شخص آزادیٔ ہند کے فیصلہ کن مرحلے پر جو وطنی تحریک کی مخالفت کر رہا ہے تو اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ انگریز کے اشارے پر کیا جا رہا ہے۔ اول تو سادہ لوح عوام کے لیے نیشلزم اور حب الوطنی کے درمیان فرق کرنا ہی مشکل تھا۔ دوسرے اس وقت ہندوستان کی سیاست میں جو جذباتی فضا قائم ہو چکی تھی اس میں تحریک اسلامی کی آواز نقار خانے میں طوطی کی آواز بن کر رہ گئی۔

وطنی قومیت پر گرفت کرنے کے بعد جب مولانا محترم نے مسلم نیشنلزم پر گرفت شروع کی اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی خرابیوں کا ذکر کیا تو مسلم قومیت کے علمبردار بڑے برہم ہوئے اور انہوں نے مولانا کے پیش کردہ افکار پر علمی انداز میں گفتگو کرنے اور دلائل سے اُن کی غلطی اُن پر واضح کرنے کے بجائے انہیں ملت اسلامیہ کا دشمن اور تحریک پاکستان کا مخالف قرار دینا شروع کیا اور یہ سلسلہ آج تک چل رہا ہے۔ عامتہ المسلمین کے دماغ مسلم نیشنلزم کے اثرات سے اس حد تک متاثر ہو چکے تھے کہ ان کی سمجھ میں یہ بات

نہ آتی تھی کہ اسلام کا داعی آخر مسلم قومیت کی تحریک کے ساتھ شامل ہو کر کیوں نہیں چلتا اور وہ اس تحریک کو جو مسلمانوں کے لیے ایک الگ خطہ ارضی کا مطالبہ لے کر اٹھی ہے کیوں ہدف تنقید بنا رہا ہے مسلم نیشلزم کے پر جوش حامیوں کی مولانا کے خلاف برہمی کا سبب بجز اس کے اور کوئی نہ تھا کہ وہ شدت جذبات میں اس عظیم فرق کو سمجھنے کے لیے آمادہ نہ تھے جو اسلام بحیثیت مسلمانوں کے قومی دین کے اور اسلام بحیثیت خدا کی طرف سے نازل کردہ واحد دستور حیات کے مابین پایا جاتا ہے اور اس فرق کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے مولانا آج تک معتوب چلے آرہے ہیں۔

جماعت اسلامی کے سیاسی کردار پر ماضی اور حال میں جو لے دے ہوتی رہی ہے اس کا اگر دقت نظر سے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ باوجود کوشش کے عوام ابھی تک اس فرق کے مضمرات ٹھیک طور پر سمجھ نہیں پائے اسی وجہ سے وہ بسا اوقات جماعت کے طرز عمل پر حیرت کا اظہار کرتے ہیں جن میں کہیں کہیں سخت برہمی بھی ہوتی ہے۔

یہ بات اگرچہ بڑی تلخ ہے مگر ہے حقیقت کہ مختلف تاریخی، معاشرتی اور سیاسی عوامل کی وجہ سے اسلام سے گہری محبت اور عقیدت کے باوجود مسلمانوں کا اس دین سے وہ تعلق خاطر نہیں رہا جس کا دین حق تقاضا کرتا ہے۔ اسلام اُن کے نزدیک دوسرے قومی ورثوں کی طرح بس ایک مقدس قومی ورثے کی حیثیت اختیار کر گیا ہے جس کے ساتھ وہ اپنے آپ کو کسی نہ کسی حد تک وابستہ رکھنے کے لیے مجبور ہیں۔ اس حقیقت کو یوں بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ مسلم قومیت کی تشکیل میں جہاں سیاسی مصالح کی ہم آہنگی، معاشی مفادات کا اشتراک اور معاشرتی اور اخلاقی اقدار کی یکجہتی اور اس طرح کے بعض دوسرے عوامل کارفرما ہیں۔ وہاں ایک دین سے وابستگی بھی اس قوم کے مختلف عناصر کو ایک دوسرے کے قریب لانے کا ذریعہ بنتی ہے۔ لیکن قومیت کے اس نقشے میں دین حق کبھی اجتماعی زندگی کی غایت اولی اور فکر و عمل کا واحد محرک قرار نہیں پا سکتا۔ اسی وجہ سے قومی، معاشی اور معاشرتی تقاضوں کے مطابق جسے عرف عام میں عصری تقاضے کہا جاتا ہے دین کے اندر بھی تبدیلیاں پیدا کرنے کا مطالبہ ہوتا رہتا ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں اصل چیز قوم اور اس کے دنیوی تقاضے ہیں اور دین ان تقاضوں کو پورا کرنے کے متعدد ذرائع میں سے ایک مؤثر ذریعہ ہے اور جب

قومی تقاضے تبدیل ہو جائیں تو دین کو اس کے مطابق تبدیل کرنا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ دیکھئے کہ اس ملک کے جو افراد یا گروہ بھی مسلم نیشنلزم کے جذبہ کے تحت ہماری اجتماعی زندگی میں دین کا مرتبہ و مقام مشخص کرنے میں مصروف ہیں وہ دین کو وقتی تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کو دین کی بہت بڑی خدمت خیال کرتے ہیں۔ مرکز ملت کا تصور بھی اسی ذہنیت کی پیداوار ہے۔ اگر وطنی قومیت کے علمبردار وطن پہلے اور مذہب بعد کے داعی تھے تو مسلم قومیت کے علمبردار قوم پہلے اور مذہب بعد کے پرجوش مبلغ ہیں اور اس کی عملی شکل جو سامنے آئی ہے وہ یہ ہے قوم مذہب کی تابع نہ ہو اور وہ اپنی اجتماعی زندگی کا نقشہ اس کے مطابق تیار کرنے کی پابند نہ ہو بلکہ قوم دنیوی مفادات کے پیچھے جس وادی میں چاہے بھٹکتی پھرے اور مذہب ایک سچے جانثار خادم کی طرح بڑی نیازمندی کے ساتھ ہر مقام پر اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہے۔

قومی دین کا تصور نیشنلزم کی تحریک کے ساتھ ہی پروان چڑھا ہے کیونکہ اس تحریک کی یہ ہمیشہ سے بنیادی ضرورت رہی ہے۔ مذہب آفاقی اقدار کا ترجمان ہوتا ہے۔ وہ انسانوں کے مابین حق و باطل کی بنیاد پر تفریق کرتا ہے۔ اس کے مقابلے میں نیشنلزم کو ہر قدم پر اس بات کی احتیاج ہوتی ہے کہ قوم کے مخصوص دنیوی مفادات اور مخصوص حالات کے پیش نظر اخلاقی اور مذہبی اقدار وضع کرے۔ اس لیے وہ کسی ایسے مذہب کی عملداری ایک لمحہ کے لیے گوارا نہیں کر سکتا جو زندگی کے سارے شعبوں پر محیط ہونے کا دعویٰ کرے اور آفاقی اقدار کا علمبردار ہو۔ یورپ میں اصلاح مذہب کے نام سے جو تحریک شروع ہوئی وہ درحقیقت نیشنلزم کے فروغ پانے کی وجہ سے قومی مذہب کی ضرورت کا بالکل فطری اظہار تھا۔ قوموں کے دنیوی مفادات اس بات کے متقاضی تھے کہ مذہب کی جو اقدار بھی نیشنلزم کو کوئی نقصان پہنچا سکتی ہیں یا قوموں کی صنعتی ترقی یا جوع الارض کی راہ میں حائل ہو سکتی ہیں انہیں نقش کہن سمجھ کر بالکل مٹا دیا جائے۔ اس تحریک کے نتیجے میں یورپ میں قومی چرچ کی بنیاد پڑی۔ اس ضمن میں جن لوگوں کو قومی مفادات کا دشمن یا قومی چرچ کا مخالف سمجھ کر تختہ دار پر لٹکایا گیا اُن میں سے کوئی ایک شخص بھی نہ تو کسی قوم اور وطن کا غدار تھا، نہ اس کے مفادات کا دشمن۔ ان کا قصور لے دے کر صرف یہ تھا کہ وہ مذہبی تعلیمات کو بادشاہوں یا قومیت کے علمبرداروں کی خواہشات کے مطابق تبدیل کرنے پر تیار نہ تھے۔ سر ٹامس مور جسے اس جرم کی پاداش میں قتل کیا گیا اس کے وہ آخری الفاظ تاریخ کے صفحات میں آج بھی محفوظ ہیں جن سے قتل کے اصل

باقی صفحہ ۲۴ پر

دعوتِ اسلامی کی حقیقی نوعیّت

مشرکین کی عداوت کے اسباب اور ان کی ناکامی کے وجوہ

اب ہمیں اُس بحث کے دوسرے حصے کو لینا ہے جو گذشتہ باب میں چھیڑی گئی تھی۔ پچھلے باب میں ہم یہ بتا چکے ہیں کہ حضورؐ کو، اور آپ کے ذریعہ سے آپ کے ساتھیوں کو اسلام کی دعوت پھیلانے کے لیے کیا ہدایات دی گئی تھیں تاکہ وہ جاہلیت کے علمبرداروں کی مخالفت کا مقابلہ اخلاق کے ہتھیاروں سے کریں، دلوں کو حکمت، عالی ظرفی، اور صبر و تحمل سے مسخر کریں، ہٹ دھرمی، تعصب اور ضد کی چٹانوں کو معقول اور دل لگتے دلائل سے توڑ کر دعوتِ حق کو آگے بڑھانے کے لیے راستہ نکالیں، اور انسانوں کے جھرمٹ میں سے اُن لوگوں کو چھانٹ چھانٹ کر اپنے ساتھ ملاتے جائیں جن کے اندر حق پسندی و حق پرستی کا جوہر پایا جاتا ہو۔

اس کے بعد ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو دعوت لے کر اٹھے تھے اس کی حقیقی نوعیت کیا تھی، اس کے امتیازی اوصاف کیا تھے، وہ کیا اسباب تھے جن کی بنا پر سب سے پہلے قریش اور پھر عرب کے دوسرے لوگ اس کی مخالفت پر تل گئے، اور پھر اس دعوت میں وہ کیا قوت تھی جس نے بالآخر تمام مخالفین کو بے بس کر کے وہ عظیم کامیابی حاصل کی جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔

یہ بحث چونکہ بڑی تفصیل چاہتی ہے، اس لیے ہم ۶ فصلوں میں اسے بیان کریں گے۔

(۱) توحید کی تعلیم اور شرک کی تردید۔

(۲) رسالت محمدیہ پر ایمان کی دعوت۔

(۳) قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر ایمان کی دعوت۔

(۴) آخرت پر ایمان کی دعوت۔

(۵) اخلاقی تعلیمات

(۶) عالمگیر امت مسلمہ کی تاسیس۔

(۷) نبی اور غیر نبی کے طریقِ کار کا فرق۔

فصل اول

توحید کی تعلیم اور شرک کی تردید

دعوت اسلامی کے نکات میں سے اولین، سب سے اہم اور بنیادی نکتہ توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال تھا۔ اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی نبوت سے قبل توحید کے قائل اور شرک کے منکر تھے، اور آپ کے ہمعصروں میں بھی اور آپ کے دور سے پہلے گزرے ہوئے اہل عرب میں بھی اس عقیدے کے لوگ پائے جاتے تھے۔ مگر بہت فرق ہے اس بات میں کہ کوئی شخص اقرارِ توحید و انکارِ شرک کا محض عقیدہ رکھتا ہو یا زیادہ سے زیادہ بس اس کا اظہار کر دینے پر اکتفا کرتا ہو، اور اس بات میں کہ کوئی شخص لوگوں کے اندر اس عقیدے کو پھیلانے کے لیے اٹھ کھڑا ہو اور عام دعوت دے کہ لوگ شرک چھوڑ دیں اور توحید کو تسلیم کر لیں۔ پھر اس سے بھی بڑھ کر جو چیز اُس سادہ سے عقیدے اور اس کھلی تبلیغ و دعوت کے درمیان فرقِ عظیم پیدا کر دیتی ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص اِس کام کا بیڑا اٹھائے وہ بار بار بڑے زوردار دلائل کے ساتھ شرک کے ایک ایک پہلو کی تردید کرے اور نہایت مفصل طریقے سے خدا کی محض وحدانیت ہی بدلائل ثابت نہ کرے بلکہ اِس وحدانیت کے معنی و مفہوم اور اس کو ماننے کے مقتضیات بھی بیان کر کے لوگوں کو پیہم دعوت دے کہ وہ اِس تفصیل کے ساتھ اللہ کی توحید پر ایمان لائیں۔

یہی کام تھا جو منصب رسالت پر مامور ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اور یہی کفار سے آپ کی نزاع کا پہلا سبب بنا کیونکہ اس کا ہر جزء اُن کے عقائد، تعصبات اور صدیوں کے جمے ہوئے تصورات سے ٹکراتا تھا۔

توحید کی صاف صاف اور بے لاگ تعلیم عرب کے مشرک معاشرے میں اصل مسئلہ اللہ تعالیٰ کے وجود کو نہیں بلکہ اس کی وحدانیت کو تسلیم کرانے کا تھا۔ مشرکین اللہ کی ہستی کے منکر نہ تھے۔ وہ اُسی کو اپنا اور ساری کائنات کا خالق مانتے تھے۔ اُنہیں اُس کے رب اور اِلٰہ ہونے سے بھی انکار نہ تھا، اور اس کی عبادت کے بھی وہ مخالف نہ تھے۔ البتہ جس گمراہی میں وہ مبتلا تھے وہ یہ تھی کہ وہ اُلوہیت اور رُبوبیت کو اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص نہیں سمجھتے تھے، بلکہ اس کے ساتھ دوسرے بہت سے اِلٰہوں کو بھی خدائی میں شریک ٹھیراتے تھے اور اللہ کی عبادت کے ساتھ اُن کی عبادت

سکے کبھی قائل تھے۔ اِس معاملہ میں ان کی شدت کا حال یہ تھا کہ:

وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل: ۴۶)

اور اے نبی، جب تم قرآن میں اپنے ایک ہی رب کا ذکر کرتے ہو تو وہ نفرت سے منہ موڑ کر پلٹ جاتے ہیں۔

"یعنی انہیں یہ بات سخت ناگوار ہوتی ہے کہ تم بس اللہ ہی کو رب قرار دیتے ہو، اُن کے بنائے ہوئے دوسرے ارباب کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔ اُن کو یہ "وہابیت" ایک آن پسند نہیں آتی کہ آدمی بس اللہ ہی اللہ کی رٹ لگائے چلا جائے۔ نہ بزرگوں کے تصرُّفات کا کوئی ذکر۔ نہ آستانوں کی فیض رسانی کا کوئی اعتراف۔ نہ اُن شخصیتوں کی خدمت میں کوئی خراجِ تحسین جن پر، اُن کے خیال میں، اللہ نے اپنی خدائی کے اختیارات بانٹ رکھے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ عجیب شخص ہے جس کے نزدیک علم غیب ہے تو اللہ کو، قدرت ہے تو اللہ کی تصرُّفات و اختیارات ہیں تو بس ایک اللہ ہی کے۔ آخر یہ ہمارے آستانوں والے بھی کوئی چیز ہیں یا نہیں جن کے ہاں سے ہمیں اولاد ملتی ہے، بیماروں کو شفا نصیب ہوتی ہے، کاروبار چمکتے ہیں اور منہ مانگی مرادیں برآتی ہیں؟" (تفہیم القرآن، جلد دوم، بنی اسرائیل۔ حاشیہ ۵۲)

دوسری جگہ قرآن میں اُن کی توحید سے بیزاری اور شرک میں اُن کے استغراق کا حال اس طرح بیان کیا گیا ہے:

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ (الزمر: ۴۵)

اور جب اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے دل کڑھنے لگتے ہیں اور جب اُس کے سوا دوسروں کا ذکر ہوتا ہے تو یکایک وہ خوشی سے کھل اٹھتے ہیں۔

"یہ بات قریب قریب ساری دنیا کے مشرکانہ ذوق رکھنے والوں میں مشترک ہے۔ زبان سے کہتے ہیں کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں، لیکن حالت یہ ہے کہ اکیلے اللہ کا ذکر کیجیے تو ان کے چہرے بگڑنے لگتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ شخص ضرور بزرگوں اور اولیاء کو نہیں مانتا، جبھی تو بس اللہ ہی اللہ کی باتیں کیے جاتا ہے۔ اور اگر دوسروں کا ذکر کیا جائے تو ان کے دلوں کی کلی کھل جاتی ہے اور بشاشت سے ان کے چہرے دمکنے لگتے ہیں۔ اِس طرزِ عمل سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان کو اصل میں دلچسپی اور محبت کس

سے ہے۔" (تفہیم القرآن، جلد چہارم، الزمر، حاشیہ ۶۴)

اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ	ان کا حال یہ تھا کہ جب ان سے کہا جاتا "اللہ کے
لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ٥ وَ	سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے" تو گھمنڈ میں آجاتے
يَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ	تھے اور کہتے تھے کہ کیا ہم ایک دیوانے شاعر کی
مَّجْنُوْنٍ ٥ (الصّٰفّٰت: ۳۵-۳۶)	خاطر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں؟

اُن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سخت اعتراض تھا کہ:

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ	کیا اِس شخص نے سارے خداؤں کی جگہ بس ایک
هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ٥ (صٓ: ۵)	ہی خدا قرار دے دیا؟ یہ تو بڑی ہی عجیب بات ہے۔

اِس معاشرے اور اِن خیالات کے لوگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھ کر بار بار اور تکرار اور پورے زور کے ساتھ اعلان کیا کہ اللہ ہی ایک الٰہ اور رب ہے، اور کسی دوسرے کا الوہیت و ربوبیت میں کوئی حصہ نہیں۔

اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا	تمھارا خدا تو بس وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی
هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ٥ (طٰهٰ: ۹۸)	خدا نہیں، ہر چیز پر اس کا علم وسیع ہے۔
بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ	بلکہ تمھارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور
الْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ (الانبیاء ۵۶)	زمین کا رب ہے اور جس نے اُن کو پیدا کیا ہے۔
اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ رَبُّ السَّمٰوٰتِ	درحقیقت تمھارا خدا صرف ایک ہے، آسمانوں
وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَ رَبُّ	اور زمین کا اور اُن کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب
الْمَشَارِقِ ٥ (الصّٰفّٰت: ۴-۵)	اور سارے مشرقوں کا رب۔

"یعنی جو کائنات کا مالک و فرمانروا (رب) ہے وہی انسانوں کا خدا (اِلٰہ اور معبود) ہے، اور وہی درحقیقت معبود ہو سکتا ہے، اور اُسی کو معبود ہونا چاہیے۔ یہ بات قطعی غلط ہے کہ کائنات اور تم سمیت کائنات کی ہر چیز کا رب (یعنی مالک اور حاکم اور مربّی اور پروردگار) تو کوئی ہو اور اِلٰہ (عبادت کا مستحق) کوئی اور ہو جائے۔" (تفہیم القرآن، جلد چہارم، الصّٰفّٰت، خلاصہ حاشیہ ۴)۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ	اے نبی، کہو کہ میں تو بس خبردار کر دینے والا ہوں۔
اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ٥ رَبُّ	اور کوئی خدا اُس ایک اللہ کے سوا نہیں جو سب پر

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا
عَظِيْمٌ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ۝
(صٓ: ۶۵ تا ۶۸)

غالب ہے، جو آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا رب ہے، جو زبردست اور بڑا درگزر کرنے والا ہے۔ اے نبی، کہو کہ یہ ایک بڑی خبر ہے جس سے تم مُنہ موڑ رہے ہو۔

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ
اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاِيَّايَ
فَارْهَبُوْنِ ۝ (النحل: ۵۱)

اور اللہ نے فرمایا کہ دو الٰہ (خدا اور معبود) نہ بنالو، خدا تو بس وہ ایک ہی ہے، لہٰذا تم مجھی سے ڈرو۔

وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ
اِلٰهٌ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ۝ (الزخرف: ۸۴)

اور وہی ایک آسمان میں بھی خدا ہے اور زمین میں بھی خدا، اور وہی حکیم اور علیم ہے۔

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ
اِلَّا وَجْهَهٗ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ
تُرْجَعُوْنَ ۝
(القصص: ۸۸)

اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو۔ اُس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ ہر چیز ہلاک ہو جانے والی ہے اُس کی ذات کے سوا۔ فرمانروائی اُسی کی ہے اور اسی کی طرف تم سب پلٹائے جانے والے ہو۔

مشرکین نے حضورؐ سے پوچھا کہ جس رب کی طرف تم ہمیں دعوت دیتے ہو اس کا نسب ہمیں بتاؤ، وہ کس چیز سے بنا ہوا ہے، کس سے اُس نے دنیا کی وراثت پائی ہے، اور کون اس کے بعد یہ وراثت پائے گا؟ اِس کے جواب میں توحید کی ایسی واضح، جامع اور مختصر تعریف بیان کی گئی جو دلوں میں تیر کی طرح پیوست ہو جانے والی تھی، جس کے ساتھ شرک کا شائبہ تک دماغ میں جگہ نہ پا سکتا تھا، جس کا ایک ایک لفظ توحید کے تصور کو نکھار کر پیش کر رہا تھا، اور اس کے ساتھ کمال یہ تھا کہ چار مختصر اور بلیغ فقروں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے کسی سننے والے کے بس میں یہ نہ تھا کہ اسے اپنے حافظہ سے نکال دے اور وہ زبانوں پر چڑھے بغیر رہ جائے۔ ارشاد ہوا:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝
لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ
لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

اے نبی، کہو وہ اللہ ہے یکتا۔ اللہ سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد۔

(الاخلاص) اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے۔

پہلے فقرے کا مطلب یہ ہے کہ میرے جس رب کے متعلق تم مجھ سے پوچھتے ہو، اور جس کو میں ربِّ واحد مانتا اور منوانا چاہتا ہوں، وہ کوئی نیا اور نرالا اور میرا اپنا گھڑا ہوا رب نہیں ہے، بلکہ وہی ہے جس کو تم خود اپنی زبان میں اللہ کہتے ہو۔ جس کے اس گھر (کعبہ) کو بیت اللہ کہتے ہو۔ جس سے ابرہہ کے حملہ کے وقت تم نے ابھی چالیس بیالیس برس پہلے دعائیں مانگی تھیں کہ وہ تم کو بچائے اور اُس وقت اپنے دوسرے سب الٰہوں کو تم بھول گئے تھے۔ جس کے متعلق تم خود مانتے ہو کہ تمہارا اور زمین و آسمان کا اور دنیا کی ہر چیز کا خالق وہی ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے متعلق فرمایا گیا کہ وہ اَحَد ہے۔ ہر عرب اِس بات کو جانتا تھا کہ یہاں اللہ کو واحد کہنے کے بجائے اَحَد کہنے کے معنی کیا ہیں۔ وَاحِد (ایک) کا لفظ عربی زبان میں ہر اُس چیز کے لیے بولتے ہیں جو محض کسی خاص حیثیت سے ایک ہو، خواہ دوسری بے شمار حیثیتوں سے اس کے اندر طرح طرح کی کثرتیں پائی جاتی ہوں۔ مثلاً ایک گھر، ایک آدمی، ایک خاندان، ایک قوم، ایک ملک، ایک دنیا۔ اس کے برعکس اَحَد کے لفظ کو وصف کے طور پر کسی ہستی کے لیے بولنا عربی زبان میں کسی کی وحدانیت بیان کرنے کے لیے ایک غیر معمولی استعمال تھا جس کی کوئی نظیر سورۂ اخلاص کے نزول سے پہلے لغتِ عرب کے استعمالات میں نہیں پائی جاتی تھی[1]۔ پس اللہ کو اَحَد کہنا خود یہ ظاہر کرتا تھا کہ وہ ہر لحاظ سے یکتا و یگانہ ہے۔ وہ خداؤں کی کسی جنس کا فرد نہیں ہے کہ اس کے ہم جنس دوسرے افراد بھی خدا ہوں، بلکہ وجود میں وہ فرد فرید اور خدائی میں وہ بالکل اکیلا ہے۔ اس کے اندر کسی حیثیت سے بھی کوئی کثرت نہیں ہے۔ وہ اجزاء سے مرکّب وجود نہیں ہے جو قابلِ تجزیہ و تقسیم ہو، جو کوئی شکل و صورت رکھتا ہو، جو کسی جگہ میں رہتا ہو، جس سے کوئی چیز نکلتی ہو یا کوئی چیز اس کے اندر داخل ہوتی ہو، جس کا کوئی رنگ ہو، جس کے کچھ اعضاء ہوں، جس کی کوئی سمت اور جہت ہو، اور جس کے اندر کسی قسم کا تغیر و تبدل ہوتا ہو۔ تمام اقسام کی کثرتوں سے پاک اور مُنزّہ وہ ایک ہی ذاتِ خداوندی ہے جو ہر لحاظ سے اَحَد ہے، اور جب وہ اَحَد ہے تو اُلوہیت اور ربوبیت میں کوئی اس کا شریک نہیں ہو سکتا، اس کی ذات،

---

[1] واضح رہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ کے لیے تنہا لفظ واحد کہیں استعمال نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا لفظ لگا کر اللہ کے ایک ہونے کی حیثیت کو دنیا کی دوسری اشیاء میں سے کسی کے ایک ہونے کی حیثیت سے الگ کر دیا گیا ہے۔ مثلاً اِلٰهًا وَّاحِدًا یا اَللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔ لیکن سورۂ اخلاص میں لفظ اَحَد اللہ کے لیے مطلقاً بطورِ وصف استعمال کیا گیا ہے اور یہ استعمال ذاتِ الٰہی کے لیے خاص ہے۔

صفات، اختیارات اور حقوق میں کوئی اس کا حصہ دار نہیں ہو سکتا، موجوداتِ عالم میں سے کوئی اس کے مشابہ اور مُماثل نہیں ہو سکتا۔

پھر فرمایا کہ وہ الصَّمَد ہے۔ لفظِ صَمَد عربی میں کثرت سے مستعمل تھا اور ہر عرب اس کے معنی جانتا تھا۔ وہ ہر اُس شخص کے لیے بولا جاتا تھا جو دوسروں کا محتاج نہ ہو اور لوگ جس کی طرف اپنی حاجات میں رجوع کرتے ہوں، جو دوسروں سے برتر ہو اور کوئی اُس سے بالاتر نہ ہو، جس کی اطاعت کی جاتی ہو اور جس کے بغیر کسی معاملہ کا فیصلہ نہ کیا جاتا ہو۔ جس میں کوئی کمزوری نہ ہو، جو بے عیب ہو، جس پر کوئی آفت نہ آتی ہو، جو اپنی مرضی سے جو چاہے فیصلہ کرے اور کوئی اس کے فیصلے پر نظرِ ثانی کرنے والا نہ ہو اور جو سرداری کی صفات میں کامل ہو۔ پھر یہ لفظ ایسی چیز کے لیے بھی بولا جاتا تھا جو ٹھوس ہو، جس میں کوئی خول اور جھول نہ ہو، جس سے نہ کوئی چیز نکلتی ہو اور نہ جس کے اندر کوئی چیز داخل ہوتی ہو۔ جو دائم اور بلند و بالا ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے محض صَمَد نہیں بلکہ اَلصَّمَد کا لفظ استعمال کیا گیا جس کا مطلب یہ تھا کہ دوسری تمام ہستیاں اور اشیاء تو کسی ایک لحاظ سے صَمَد ہیں اور دوسرے بہت سے لحاظوں سے صمد نہیں ہیں، مگر ہر لحاظ سے کامل طور پر الصَّمَد صرف اللہ ہی ہے۔

پھر فرمایا کہ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد۔ یہ فقرہ اُن تمام مشرکانہ خیالات کی جڑ کاٹ دیتا تھا جن کی بنا پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ خداؤں کی بھی کوئی جنس ہے جس میں اُسی طرح توالد و تناسُل کا سلسلہ چلتا ہے جس طرح انسانوں میں چلتا ہے۔ اِس تصور کی بیخ کنی کر کے لوگوں کو بتا دیا گیا کہ وہی اکیلا خدا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ نہ اس سے پہلے کوئی خدا تھا جس سے وہ پیدا ہُوا ہو، اور نہ اس کے بعد کوئی خدا ہے یا ہو سکتا ہے جو اُس سے پیدا ہو۔

آخر میں ارشاد ہُوا کہ کوئی اس کا کُفُو نہیں ہے۔ کفو کے معنی ہیں نظیر، مُشابہ، مُماثل، ہم رُتبہ، ہمسر، مُساوی۔ پس یہ فقرہ ارشاد فرما کر لوگوں کو بتایا گیا کہ ساری کائنات میں کوئی نہیں ہے، نہ کبھی تھا اور نہ کبھی ہو سکتا ہے جو اللہ کے مانند، یا اس کا ہم مرتبہ ہو، یا اپنی صفات، افعال اور اختیارات میں اس سے کسی طرح کی مشابہت رکھتا ہو۔

توحید کے دلائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرک معاشرے کے سامنے توحید کے اس صاف اور خالص تصور کو پیش کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ بڑے مضبوط اور ناقابلِ انکار دلائل کے ساتھ اسے ثابت بھی کیا۔

(۱) تمام انبیاء توحید کی تعلیم دیتے تھے اس سلسلے میں ایک نہایت وزنی دلیل یہ تھی کہ آپ سے پہلے جتنے انبیاء بھی دنیا میں آئے ہیں ان سب نے توحید ہی کی تعلیم دی تھی اور شرک سے منع کیا تھا۔ چنانچہ قرآن میں پہلے مجموعی طور پر تمام انبیاء کے متعلق

فرمایا گیا کہ:۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلًا	ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا اِس
اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَ اجْتَنِبُوا	تعلیم کے ساتھ کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت[1]
الطَّاغُوْتَ (النحل: ۳۶)	کی بندگی سے بچو
وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ	اور اے نبی ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول
مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْہِ اَنَّہٗ	نہیں بھیجا جس کی طرف ہم نے یہ وحی نہ کی ہو کہ میرے
لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ٥	سوا کوئی خدا نہیں ہے لہٰذا تم لوگ میری ہی
(الانبیاء: ۲۵)	بندگی کرو۔

اور پچھلی تمام اُمتوں کے متعلق بتایا گیا کہ:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ	اور اُن کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا
مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ حُنَفَآءَ	کہ اللہ کی بندگی کریں اپنے دین کو اس کے لیے
وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوا الزَّکٰوۃَ	خالص کر کے، بالکل یکسو ہو کر، اور نماز قائم کریں
وَذٰلِکَ دِیْنُ الْقَیِّمَۃِ ٥	اور زکوٰۃ دیں۔ یہی نہایت صحیح و درست
(البیّنۃ: ۵)	دین ہے۔

پھر ایک ایک نبی کے متعلق بتایا کہ اس کی تعلیم یہی تھی۔ حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت شعیبؑ میں سے ہر ایک اپنی قوم کو سب سے پہلے یہی تلقین کرتے ہیں کہ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ "اے میری قوم کے لوگو، اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے" (الاعراف ۵۹-۶۵-۷۳-۸۵- ہود ۵۰-۶۱-۸۴- المومنون ۲۳-۳۲-) حضرت یعقوبؑ مرتے وقت اپنی اولاد سے پوچھتے ہیں کہ میرے بعد تم کس کی بندگی

---

[1] علم تفسیر کے مشہور امام ابن جریر طبری نے طاغوت کی تشریح یہ کی ہے: "ہر وہ ہستی جو اللہ کے مقابلے میں سرکشی کرے، اور اللہ کے سوا جس کی بندگی کی جائے، خواہ بندگی کرنے والا اُس کے جبر سے مجبور ہو کر اس کی بندگی کرے یا اپنی رضا و رغبت سے ایسا کرے، وہ طاغوت ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ کوئی انسان ہو یا شیطان یا بُت یا اور کوئی چیز (جامع البیان فی تفسیر القرآن، ج ۳۔ صفحہ ۱۳)

کروگے؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اُس ایک ہی خدا کی بندگی کریں گے جو آپ کا اور آپ کے باپ دادا ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ کا معبود رہا ہے۔" (البقرہ - ۱۳۳)۔ حضرت یوسفؑ اپنے قید خانے کے ساتھیوں سے کہتے ہیں:۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (یوسف: ۳۹-۴۰)

اے قید خانے کے ساتھیو، بہت سے متفرق رب اچھے ہیں یا ایک اللہ جو سب پر غالب ہے؟ اُس کو چھوڑ کر تم جن کی بندگی کر رہے ہو وہ کچھ نہیں ہیں مگر چند نام جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے کوئی سند نازل نہیں کی ہے۔ فرمانروائی کا اقتدار اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے۔ اُس کا حکم ہے کہ خود اُس کے سوا تم کسی کی بندگی نہ کرو۔ یہی صحیح دین ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

حضرت موسیٰؑ پر پہلی وحی یہی نازل ہوئی کہ:۔

اِنَّنِيْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝ (طٰہٰ: ۱۴)

میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی خدا نہیں، پس تو میری ہی عبادت کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم کر۔

پھر جب بنی اسرائیل نے گوسالہ پرستی کی تو حضرت موسیٰؑ ان پر سخت غضبناک ہوئے اور ان کے بنائے ہوئے معبود کو جلا کر خاک کر ڈالا اور فرمایا:۔

اِنَّمَاۤ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (طٰہٰ: ۹۸)

تمہارا حقیقی معبود تو صرف وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے بار بار کہا:۔

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ (آل عمران - ۵۱)۔

درحقیقت اللہ ہی میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی، پس تم اسی کی عبادت کرو،

مریم ۳۶ - الزخرف ۶۴) یہی سیدھا راستہ ہے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ؁ (المائدہ: ۷۲)

اے بنی اسرائیل، اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کیا اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے، اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

مشرکین قریش کے لیے خصوصاً اور مشرکین عرب کے لیے عموماً سب سے زیادہ زبردست دلیل وہ تھی جو قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے سے پیش کی گئی، کیونکہ تمام مشرکین عرب اُن کو اپنا پیشوا تسلیم کرتے تھے، اپنے دین کو اُن کا دین قرار دیتے تھے، اور قریش کا تو سارا فخر و ناز اور نفوذ و اثر ہی اُن سے نسبی تعلق اور ان کے تعمیر کردہ بیت اللہ کی مجاوری پر تھا۔ قرآن میں بڑی تفصیل کے ساتھ قریش اور اہل عرب کو بتایا گیا کہ نمرود کی سلطنت (عراق) سے تمہارے باپ اور پیشوا کا نکلنا اسی جھگڑے کی بنا پر تو ہُوا تھا کہ اُن کا باپ اور اُن کی قوم اور اُن کے ملک کی حکومت، سب کے سب مشرک تھے، اُنھوں نے اس شرک کی کھلم کھلا تردید کی، قوم کو توحید کی علی الاعلان دعوت دی، بتوں کو توڑا اور اس کی پاداش میں اُن کو آگ سے بھرے ہوئے الاؤ میں پھینک دیا گیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے زندہ و سلامت نکال دیا۔ آخر کار وہ ملک چھوڑ کر ارضِ کنعان کی طرف نکل گئے، پھر مکہ پہنچ کر یہ خانۂ کعبہ اسی لیے بنایا کہ یہاں خدائے واحد کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے، اور اپنی اولاد کے لیے دعا کی کہ وہ بت پرستی کی گمراہی میں مبتلا نہ ہو۔ اس قصے کی تفصیلات قرآن میں مختلف مقامات پر جیسے پُرزور اور اثر انگیز طریقے سے بیان کی گئی ہیں اُن کو پڑھ کر آدمی اندازہ کر سکتا ہے کہ جب مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سنایا ہو گا تو قریش اور عام مشرکین کس طرح ہِل کر رہ گئے ہوں گے۔ طوالت سے بچنے کے لیے ہم یہاں پوری آیات نقل کرنے کے بجائے صرف ان کا ترجمہ درج کرتے ہیں:۔

"اور ابراہیمؑ کا واقعہ یاد کرو جبکہ اُس نے اپنے باپ آزر سے کہا تھا کیا تو بتوں کو خدا بناتا ہے؟ میں تو تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا ہوں ...... ابراہیمؑ نے کہا اے میری قوم کے لوگو میں اُن سب سے بیزار ہوں جنہیں تم خدا کا شریک ٹھیراتے ہو۔ میں نے تو یکسو ہو کر اپنا رُخ اس ہستی کی طرف کر لیا جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور میں

ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اُس کی قوم اُس سے جھگڑنے لگی۔ اُس نے کہا کیا تم اللہ کے معاملہ میں مجھ سے جھگڑتے ہو حالانکہ اس نے مجھے صحیح راہ دکھادی ہے؟ اور میں تمہارے ٹھیرائے ہوئے شریکوں سے نہیں ڈرتا، ہاں اگر میرا رب کچھ چاہے تو وہ ضرور ہو سکتا ہے، میرے رب کا علم ہر چیز پر حاوی ہے، پھر کیا تم ہوش میں نہ آؤ گے؟ اور آخر میں تمہارے ٹھیرائے ہوئے شریکوں سے کیسے ڈروں جبکہ تم اللہ کے ساتھ اُن چیزوں کو شریک بناتے ہوئے نہیں ڈرتے جن کے (شریکِ خدا ہونے کے) لیے اس نے تم پر کوئی سند نازل نہیں کی ہے؟ پھر بتاؤ، اگر تم کچھ علم رکھتے ہو کہ ہم دونوں فریقوں میں سے کون زیادہ بے خوفی اور اطمینان کا مستحق ہے؟" (الانعام - ۷۴ تا ۸۱)

"اور اے محمدؐ، اِس کتاب میں ابراہیمؑ کا ذکر کرو، بے شک وہ ایک راستباز انسان اور نبی تھا۔ (انہیں اُس موقع کا حال سناؤ) جب اُس نے اپنے باپ سے کہا ابا جان، آپ کیوں اُن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں نہ دیکھتی ہیں اور نہ آپ کا کوئی کام بنا سکتی ہیں۔ ابا جان، میرے پاس ایک ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا۔ آپ میرے پیچھے چلیں، میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤنگا۔ ابا جان، آپ شیطان کی بندگی نہ کریں، شیطان تو رحمان کا نافرمان ہے۔ ابا جان، مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ رحمان کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں اور شیطان کے ساتھی بن کر رہیں۔ باپ نے کہا ابراہیم کیا تو میرے معبودوں سے پھر گیا ہے؟ اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔ بس تو ہمیشہ کے لیے مجھ سے الگ ہو جا۔ ابراہیمؑ نے کہا سلام ہے آپ کو، میں اپنے رب سے دعا کروں گا کہ آپ کو معاف کر دے، میرا رب مجھ پر بہت مہربان ہے۔ میں آپ لوگوں کو بھی چھوڑتا ہوں اور اُن ہستیوں کو بھی جنہیں آپ لوگ اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے ہیں۔ میں تو اپنے رب ہی کو پکاروں گا، امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر نامراد نہ رہوں گا۔" (مریم - ۴۱ تا ۴۸)

"اور ابراہیمؑ کا اپنے باپ کے لیے مغفرت کی دعا کرنا صرف اُس وعدے کی بنا پر تھا جو اُس نے اُس سے کیا تھا۔ مگر جب اس پر یہ بات کھل گئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بری الذمہ ہو گیا۔" (التوبہ - ۱۱۴)

"اِس سے پہلے ہم نے ابراہیمؑ کو اُس کی ہوشمندی بخشی تھی اور ہم اُس کو خوب جانتے تھے۔ یاد کرو وہ موقع جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا یہ کیسی مورتیں ہیں جن کے تم لوگ گرویدہ ہو رہے ہو؟

انھوں نے جواب دیا ہم نے اپنے باپ دادا کو اِن کی عبادت کرتے پایا ہے۔ اس نے کہا تم بھی گمراہ ہو اور تمہارے باپ دادا بھی کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ انھوں نے کہا کیا تو ہمارے سامنے اپنے اصلی خیالات پیش کر رہا ہے یا مذاق کرتا ہے؟ اس نے کہا، نہیں، بلکہ تمہارا رب اصل میں وہی آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس نے اُن کو پیدا کیا ہے، اور میں اس پر تمہارے سامنے گواہی دیتا ہوں۔ اور خدا کی قسم میں تمہاری غیر موجودگی میں ضرور تمہارے بُتوں کی خبر لوں گا۔ چنانچہ اس نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور صرف اُن کے بڑے کو چھوڑ دیا تاکہ شاید وہ اُس کی طرف رجوع کریں۔ (اُن لوگوں نے آکر اپنے بتوں کا یہ حال دیکھا تو) بولے کون تھا جس نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ بڑا ہی کوئی ظالم تھا وہ۔ (بعض لوگ) کہنے لگے کہ ہم نے ایک نوجوان کو ان کا ذکر کرتے سنا تھا جسے ابراہیم کہتے ہیں۔ انھوں نے کہا تو پکڑ لاؤ اسے سب کے سامنے تاکہ لوگ دیکھ لیں (کہ اس کے ساتھ کیا کیا جاتا ہے)۔ (ابراہیم کے آنے پر) لوگوں نے کہا، ابراہیم، کیا تو نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ اس نے کہا بلکہ یہ اِن کے اس سردار کا کیا دھرا ہے، اِنہی سے پوچھ لو اگر یہ کچھ بولتے ہیں۔ یہ بات سن کر وہ اپنے ضمیر کی طرف پلٹے اور (اپنے دلوں میں) کہنے لگے کہ واقعی تم خود ہی ظالم ہو (کہ اِن بے بس خداؤں کو پوج رہے ہو)۔ پھر اُن کی مت پلٹ گئی اور کہنے لگے کہ تو جانتا ہے کہ یہ بولتے نہیں ہیں۔ ابراہیم نے کہا اچھا، تو تم اللہ کو چھوڑ کر اُن کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نہ کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔۔۔ تُف ہے تم پر اور تمہارے اِن معبودوں پر جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر پوجا کر رہے ہو۔ انھوں نے کہا جلا دو اس کو اور حمایت کرو اپنے خداؤں کی اگر تمہیں کچھ کرنا ہے۔ ہم نے کہا اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی بن جا ابراہیم پر۔ وہ چاہتے تھے کہ ابراہیم کے ساتھ بُرائی کریں مگر ہم نے انہی کو ناکام و نامراد کر دیا۔" (الانبیاء - ۵۱ تا ۷۰)

"اور انہیں ابراہیم کا قصہ سناؤ۔ جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا یہ تم کن چیزوں کی عبادت کر رہے ہو؟ انھوں نے جواب دیا یہ کچھ بُت ہیں جن کی ہم پوجا کرتے ہیں اور انہی کی سیوا میں ہم لگے رہتے ہیں۔ اس نے کہا کیا یہ تمہاری سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو؟ یا یہ تمہیں کچھ نفع یا نقصان پہنچاتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا (یہ سب کچھ تو ہم نہیں جانتے) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا ہے۔ ابراہیم نے کہا کبھی تم نے (آنکھیں کھول کر) دیکھا بھی کہ یہ چیزیں ہیں

کیا جن کی بندگی تم اور تمہارے پچھلے باپ دادا بجالاتے رہے ہیں۔ میرے تو یہ سب دشمن ہیں۔ بجز رب العالمین کے جس نے مجھے پیدا کیا، پھر وہی میری رہنمائی فرماتا ہے، جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے، اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے، جو مجھے موت دے گا اور پھر دوبارہ مجھ کو زندگی بخشے گا، اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ روزِ جزا میں وہ میری خطا معاف فرمائے گا" (الشعراء۔ ۶۹ تا ۸۲)۔

"اور ہم نے ابراہیمؑ کو بھیجا۔ جب اس نے اپنی قوم سے کہا اللہ کی بندگی کرو اور اسی سے ڈرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔ اللہ کو چھوڑ کر جنہیں تم پوج رہے ہو وہ تو محض بُت ہیں اور تم ایک جھوٹ گھڑ رہے ہو۔ درحقیقت تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی پرستش کرتے ہو وہ تمہیں کوئی رزق بھی دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔ اللہ سے رزق مانگو اور اُسی کی بندگی کرو اور اُس کا شکر ادا کرو، اُسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو۔ ...... تو اُس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ قتل کردو اسے یا جلاڈالو اس کو۔ مگر اللہ نے اس کو آگ سے بچالیا۔ یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ایمان لانے والوں کے لیے۔ اور ابراہیمؑ نے کہا کہ تم لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو دنیا کی زندگی میں تو آپس کی محبت کا ذریعہ بنالیا ہے مگر قیامت کے روز تم ایک دوسرے کا انکار کروگے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجوگے، آگ تمہارا ٹھکانا ہوگی اور تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ پھر لوطؑ نے ابراہیمؑ کو مانا، اور ابراہیمؑ نے کہا کہ میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں، وہی زبردست اور حکیم ہے" (العنکبوت ۱۶ تا ۲۶)

"اور نوحؑ ہی کے طریقے پر چلنے والا ابراہیمؑ تھا۔ جب وہ اپنے رب کے حضور کھوٹ سے پاک دل لے کر آیا۔ جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا یہ کن چیزوں کی عبادت تم کر رہے ہو؟ کیا اللہ کو چھوڑ کر جھوٹے گھڑے ہوئے معبود چاہتے ہو؟ آخر رب العالمین کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے؟ پھر اس نے تاروں کی طرف ایک نگاہ ڈالی اور (قوم کے لوگوں سے کہا) میری طبیعت خراب ہے۔ چنانچہ وہ لوگ (اسے چھوڑ کر اپنے میلے) میں چلے گئے۔ ان کے پیچھے وہ چپکے سے ان کے معبودوں کے مندر میں گھس گیا اور بولا "آپ لوگ کھاتے کیوں نہیں؟ آپ کو کیا ہوگیا، بولتے بھی نہیں؟" اس کے بعد وہ اُن پر پل پڑا اور سیدھے

ہاتھ سے خوب ضربیں لگائیں۔ (واپس آکر قوم کے لوگ) بھاگے بھاگے اس کے پاس آئے۔ اس نے کہا کیا تم اپنی ہی تراشی ہوئی چیزوں کو پوجتے ہو؟ حالانکہ اللہ ہی نے تم کو بھی پیدا کیا ہے اور اُن چیزوں کو بھی جنھیں تم بناتے ہو۔ انہوں نے کہا اِس کے لیے ایک الاؤ تیار کرو اور اِسے دہکتی ہوئی آگ کے ڈھیر میں پھینک دو۔ انہوں نے اس کے خلاف ایک کارروائی کرنی چاہی تھی مگر ہم نے اُنہی کو نیچا دکھا دیا۔ اور ابراہیمؑ نے کہا میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں (یعنی ہجرت کرتا ہوں) وہی میری رہنمائی کرے گا۔" (الصّٰفّٰت۔ ۸۳ تا ۹۹)۔

حضرت ابراہیمؑ کو ملک کے بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا کیونکہ وہ رب ہونے کا مدعی تھا اور آپؑ اللہ کے سوا کسی کو رب ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ اُس سے ان کی جو گفتگو ہوئی اسے قرآن اس طرح نقل کرتا ہے:۔

"جب ابراہیمؑ نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو زندگی بخشتا اور موت دیتا ہے تو اس نے کہا کہ زندگی اور موت میرے اختیار میں ہے۔ ابراہیم نے کہا، اچھا تو اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، تو اسے مغرب سے نکال لا۔ یہ سن کر وہ کافر ششدر رہ گیا۔" (البقرہ۔ ۲۵۸)

اس طرح جب شرک کی مخالفت اور توحید کی دعوت کے باعث حضرت ابراہیمؑ کے لیے وطن کی سرزمین تنگ ہوگئی اور وہ اپنا ملک، اپنی قوم، اپنے خاندان، حتیٰ کہ اپنے باپ کو بھی چھوڑ کر ہجرت کے لیے نکل کھڑے ہوئے تو چلتے ہوئے انہوں نے اور اُن کے ساتھ ایمان لانے والوں نے صاف صاف اپنی قوم سے کہہ دیا کہ:۔

"ہم تم سے اور تمہارے اِن معبودوں سے جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو، قطعی بیزار ہیں، ہم نے تم سے کفر کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے عداوت ہوگئی اور بیر پڑ گیا جب تک تم اکیلے اللہ پر ایمان نہ لاؤ۔" (الممتحنہ۔ ۴)

اِس کے بعد قرآن مجید بتاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے مکہ آکر جب اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی جگہ پر اِس خانہ کعبہ کی تعمیر کی تو یہ اس لیے نہ تھی کہ اِسے بت خانہ اور مشرکین کا تیرتھ بنایا جائے اور یہاں غیر اللہ کی عبادت ہو اور غیر اللہ کے لیے قربانیاں کی جائیں۔

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ۝ وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ۝ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۔

(الحج: ۲۶ تا ۲۸)

اور یاد کرو وہ وقت جب ہم نے ابراہیمؑ کے لیے اِس گھر (خانۂ کعبہ) کی جگہ تجویز کی تھی (اس ہدایت کے ساتھ) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام و رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھنا اور لوگوں کو حج کے لیے اذنِ عام دے دینا کہ وہ تمہارے پاس ہر دُور دراز مقام سے پیدل اور اونٹوں پر سوار آئیں تاکہ وہ فائدے دیکھیں جو یہاں اُن کے لیے ہیں اور چند مقرر دنوں میں اُن جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے انہیں بخشے ہیں۔

نیز قرآن یہ بھی یاد دلاتا ہے کہ مکہ کی آبادی اور اپنی آئندہ نسل کے لیے حضرت ابراہیمؑ نے جو دعا مانگی تھی وہ یہ تھی:-

رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ ۝ رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ ۖ فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي ۖ وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

(ابراھیم: ۳۵-۳۶)

اے میرے رب، اِس شہر کو امن کا شہر بنا اور مجھے اور میری اولاد کو اس سے بچا کہ ہم بتوں کی پرستش کریں۔ اے میرے رب، ان بتوں نے بہتیرے لوگوں کو گمراہی میں ڈالا ہے۔ پس جو میری پیروی کرے وہ میرا ہے اور جو میرے خلاف طریقہ اختیار کرے تو تو درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کی یہ مثال قریش اور مشرکین عرب کے مذہب کی کمر توڑ دینے والی تھی جس پر وہ بلبلا تو سکتے تھے، مگر اس کا انکار نہ کر سکتے تھے، کیونکہ ان کے ہاں یہ بات مسلّم تھی کہ حضرت ابراہیمؑ مشرک و بت پرست نہ تھے، کعبہ انہوں نے صرف اللہ کی عبادت کے لیے بنایا تھا، شرک اُن کے بہت بعد اہل عرب میں شروع

ہُوا، اور ان کے ہاں کی روایات میں یہ بات محفوظ تھی کہ وہ کب شروع ہُوا اور کون سا نبی کب، کہاں سے، کون لایا۔ اسی لیے قرآن نے اُنکے پکارے لوگوں کو دعوت دی کہ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۔ "پس یکسو ہوکر ابراہیم کے طریقے کی پیروی کرو، اور وہ مشرکین میں سے نہ تھا" (آل عمران۔ ۹۵)۔ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا ۗ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ۔ "ابراہیم سے نسبت رکھنے کے سب سے زیادہ حقدار وہ لوگ ہیں جنہوں نے اُس کے طریقے کی پیروی کی اور یہ نبی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اور اِس کے ماننے والے ہیں۔ اللہ ایمان لانے والوں ہی کا حامی و ناصر ہے" (آل عمران۔ ۶۸)۔

(باقی)

ایمان ایک عظیم قوت

شیخ یوسف القرضاوی
ترجمہ۔ عبدالحمید صدیقی

دنیا میں انسان کے پیشِ نظر بیسیوں مقاصد ہوتے ہیں جنہیں حاصل کرنے کے لیے اسے متواتر جد و جہد کرنی پڑتی ہے۔ اس تگ و دو اور کشمکش کے دوران اسے قدم قدم پر اپنی کمزوریوں کا احساس ہوتا ہے جو اسے کسی بڑی قوت کا سہارا لینے پر مجبور کرتا ہے۔ ایسی قوت جو ہر مشکل مرحلہ پر اس کی دستگیری کرے۔ اس کی راہ کے خطرات کو دور کر دے اور سفرِ زندگی کی گہری تاریکیوں میں تا حدِ نگاہ اجالا کر دے۔

وہ قوت بس ایک ہی قوت ہے۔ عقیدہ و ایمان کی قوت۔ اس قوت کی بدولت بندۂ مومن اتنا طاقتور ہو جاتا ہے کہ کسی چیز کو خاطر میں نہیں لاتا۔ اللہ کے فضل کی اسے امید ہوتی ہے۔ اللہ کے عذاب سے وہ ڈرتا ہے۔ وہ تنہا ہو کر بھی بڑا قوی ہوتا ہے کیونکہ اللہ اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ مفلس و تہی دست ہونے کے باوجود غنی ہوتا ہے۔ تن تنہا رہ کر بھی اپنے آپ کو غالب و توانا محسوس کرتا ہے اور جب سفینۂ حیات کسی گرداب میں پھنس جاتا ہے تو وہ کسی اضطراب کا شکار نہیں ہوتا بلکہ پہاڑ کی سی مضبوطی و استقامت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان باللہ کی حیرت انگیز طاقت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

لو عرفتم اللہ حق معرفتہ لزالت بدعائکم الجبال۔	اگر تم اللہ کی معرفت کما حقہٗ حاصل کر لو تو تمہاری دعا سے پہاڑ ٹل جائیں۔

فرد کے اندر قوت کا یہ خزانہ دراصل معاشرہ کی قوت کا مصدر و ماخذ ہے اور وہ معاشرہ کتنا سعادت مند ہے جس کے افراد قوت و رسوخ کے اس درجہ پہ فائز ہوں۔ اس کے برعکس قوتِ ایمان سے محروم، کمزور، دوں ہمت اور درماندہ لوگوں کا معاشرہ کتنا شقی و بدبخت معاشرہ ہے جس میں کوئی اپنے دوست کی مدد نہیں کرتا اور نہ اپنے دشمن کو ڈرا دھمکا سکتا ہے۔

مومن کے نزدیک قوت کے مصادر:۔

۱۔ الایمان باللہ:۔ اللہ قوی و قدیر اور علی و کبیر ہے۔ جو اس پہ ایمان لے آئے، اُس پہ بھروسہ کرے اور اس کے

حاضر و ناظر ہونے کا پختہ اعتقاد رکھے اللہ کبھی اسے بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا وکان حقا علینا نصر المومنین اور ایمانداروں کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔ اور جس کی اللہ مدد کرے اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم۔

۲۔ الایمان بالحق:۔ مومن کی قوت کا دوسرا بڑا ماخذ اس کا حق و صداقت پر ایمان ہے۔ وہ خواہش نفس کے زیر اثر کوئی کام نہیں کرتا۔ نہ ذاتی منفعت نہ جاہلی عصبیت اور نہ ظلم و زیادتی اُس کے اعمال کی محرک ہوتی ہے بلکہ وہ اُس حق کے لیے سب کچھ کرتا ہے جس پر سموات والارض قائم ہیں اور جہاں حق ہو گا وہاں کوئی دوسری چیز ٹھہر نہیں سکتی۔ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۔ قادسیہ کی لڑائی میں حضرت سعد بن ابی وقاص کے سفیر ربعی بن عامر جب ایرانیوں کے سپہ سالار رستم کے پاس گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس کے خدم و حشم اور اس کے لشکری سونے چاندی میں لدے پھندے اس کے اردگرد دست بستہ کھڑے ہیں مگر جناب ربعی بن عامر کسی چیز کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے آگے بڑھتے گئے اور اپنے کوتاہ قامت گھوڑے، اپنی موٹی چھوٹی ڈھال اور اپنے معمولی لباس کے ساتھ رستم کے پاس جا پہنچے۔ اس نے سوال کیا تم کون ہو؟ اللہ کے اس بندے نے پوری قوت سے کہا: ہم ایک ایسی قوم ہیں جسے اللہ نے اس مقصد کے لیے مبعوث کیا ہے کہ ہم اس کی مخلوق کو بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ وحدہٗ لاشریک کی غلامی میں دے دیں اور دنیا کی تنگی سے نکال کر کشائش سے ہمکنار کریں اور باطل ادیان اور طاغوتی قوتوں کے ظلم و جور سے بچا کر اسلام کے سایۂ رحمت میں لے آئیں۔ کشور کشائی ہمارا مقصد نہیں۔ ربعی بن عامر کے اندر یہ کیا چیز بول رہی تھی؟ رستم ایران کے سامنے ان کا یہ بے باکانہ طرز تخاطب کس بناء پر تھا؟ صرف اس بناء پر کہ وہ حق و صداقت کے نمائندہ اور علمبردار تھے اور قوتِ حق و صداقت نے ان کے اندر یہ شجاعت اور بیباکی پیدا کر دی تھی۔

۳۔ الایمان بالخلود:۔ انسان کے اندر جو مختلف چیزیں جبن و ضعف اور انحطاط پیدا کر دیتی ہیں ان میں سے ایک اُس کا یہ احساس بھی ہے کہ وہ فانی مخلوق ہے کہیں فنا نہ ہو جائے۔ اُس کا کوئی اقدام اُس کی موت کا باعث نہ بن جائے لیکن مومن زندگی کو اسی دنیا کی زندگی تک محدود نہیں سمجھتا بلکہ وہ از روئے یقین و ایمان اس کا سلسلہ ناقابلِ تصور حد تک آگے پھیلا ہوا دیکھتا ہے۔ موت اس کی نظر میں ایک پردہ ہے جس کے پیچھے زندگی اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے یہی وجہ ہے کہ موت کا احساس اسے بزدل نہیں بناتا۔ اس کے برعکس وہ آگے بڑھ کر موت کو گلے لگا لیتا ہے کیونکہ موت آ جانے سے وہ ابدی زندگی اور اُس کی نعمتوں کو پا لیتا ہے۔ حضرت عمیر بن الحمام

انصاری غزوۂ بدر میں شریک ہوئے کسی موقع پر ایک طرف کھڑے کھجوریں کھا رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ کلمات سنے :۔

والذی نفسی بیدہ مامن رجل	اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے
یقاتلهم الیوم فیقتل صابرا	جو آدمی بھی آج ان سے (مشرکین) لڑے اور
محتسبا مقبلا غیر مدبر الا	نتیجۃً قتل ہو جائے اس حال میں کہ وہ صابر
ادخله الله الجنة	ہو ثواب کی نیت سے لڑائی میں حصہ لے رہا ہو۔
	پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے بڑھنے والا ہو اللہ
	اسے جنت میں داخل کر دیں گے۔

اور حضرت عُمیرؓ کے منہ سے بے اختیار نکلا بخ بخ (کلمۂ تعجب ہے) رسولِ پاکؐ نے فرمایا اے ابن الحمام کس بات پر تعجب کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کی تو کیا یا رسول اللہ میرے اور جنت کے درمیان صرف موت ہی حائل ہے یعنی آگے بڑھ کر لڑائی کروں اور مارا جاؤں۔ رسولِ پاکؐ نے فرمایا۔ تو اور کیا۔ یہ سنتے ہی حضرت عمیرؓ نے ہاتھ میں جو کھجوریں تھیں پھینک دیں اور کہنے لگے کھجوریں ختم ہونے کا انتظار کون کرے۔ اسی وقت دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور بے جگری سے لڑنے لگے۔ ان کی زبان پر یہ رجز تھا ؎

رکضاً الی اللہ بغیر زاد	الا التقی وعمل المعاد
والصبر فی اللہ علی الجهاد	وکل زادٍ عرضة النفاد

غیر التقی والبر والرشاد

اللہ کی جانب بغیر زادِ راہ کے رواں دواں ہوں۔ اپنا زادِ راہ تقویٰ اور آخرت میں اجر پانے کی نیت سے کیا جانے والا عمل ہے۔ راہِ خدا میں جہاد کے لیے اپنے آپ کو وقف کر چکا ہوں اور تقویٰ، نیکی اور بھلائی کے علاوہ ہر دوسرا زادِ راہ ختم ہو جانے والا ہے۔

۴۔ **الایمان بالقدر** چوتھی چیز جو ایک مومن کے لیے قوت کا باعث ہے وہ اس کا تقدیر پر محکم ایمان ہے وہ جانتا ہے کہ جو مصیبت بھی اسے پہنچتی ہے اللہ کے اذن سے پہنچتی ہے۔ تمام انسان، جن اور دوسری جملہ مخلوقات مل کر بھی اگر کسی کو کوئی فائدہ پہنچانا چاہیں تو نہیں پہنچا سکتیں الا یہ کہ اللہ کی مشیت بھی یہی ہو۔ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰىنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ مومن اس بات کا پختہ یقین رکھتا ہے

کہ اس کے رزق کی تقسیم ہو چکی ہے اور اُس کی موت کا وقت مقرر ہے۔ اس عقیدہ کے نتیجے میں اس کے اندر ایسی زبردست قوت پیدا ہو جاتی ہے جو تمام خطرات و وساوس کا قلع قمع کر دیتی ہے اور وہ بے خوف ہو کر میدانِ جہاد میں کود جاتا ہے کوئی پوچھے کہ بیوی بچوں کا کیا کر چلے ہو تو اُس کا جواب یہ ہوتا ہے علینا ان نطیعہ تعالیٰ کما امرنا و علیہ ان یرزقنا کما وعدنا "ہمارا فرض ہے کہ ہر حال میں اللہ کی اطاعت کریں جیسا کہ اُس نے ہمیں حکم دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ہمیں رزق دے جس کا اس نے ہمارے ساتھ وعدہ کر رکھا ہے"۔ اِسی طرح اگر کوئی محرومِ ایمان جا کر اُس مردِ مجاہد کی بیوی کے کان بھرے کہ دیکھو تمہیں بھوکا مرنے کے لیے پیچھے چھوڑے جا رہا ہے تو وہ مومنہ خاوند کا دامن پکڑنے کے بجائے پورے اعتماد کے ساتھ کہتی ہے:۔

زوجی عرفتہ اکالا ولم اعرفہ رزاقا	میں اپنے خاوند کو کھانے والے کی حیثیت سے جانتی ہوں رازق کی حیثیت سے نہیں۔ اگر
فان ذھب الاکال فقد بقی	کھانے والا چلا گیا تو کیا ہوا۔ رزق دینے والا
الرزاق	تو موجود ہے۔

پس ثابت ہوا کہ قضاء و قدر پر ایمان، انسان کو جرأت و اقدام کی صفت سے متصف کرتا ہے۔ اس کے اندر شجاعت و بسالت پیدا کر دیتا ہے اسے عظیم کارنامے انجام دینے اور خطرات میں کود جانے کی تاب و تواں بخشتا ہے اور اُس کی طبیعت میں ثبات و استقامت، حلم و تحمل اور صبر و رضا کے اوصافِ حمیدہ کو پروان چڑھاتا ہے۔

۵۔ الایمان بالاخوۃ | آخری چیز جس سے اہلِ ایمان کو احساسِ تقویت ہوتا ہے وہ دوسرے ایماندار بھائیوں کا وجود ہے وہ بھائی کہ جو اس کی خدمت و خیر خواہی کے لیے وقف ہوتے ہیں۔ اِس کی موجودگی میں ہر طرح اس کے مددگار ہوتے ہیں اور اس کی غیر حاضری میں اس کے حقوق کے محافظ، جو دکھ تکلیف میں اس کے غمگسار، دلسوز فدائی اور وحشت و خوف میں اس کے لیے سامانِ انس اور بوقتِ لغزش اِس کے دستگیر ہوتے ہیں۔ جب اس کے قویٰ جواب دیے جائیں تو وہ اسے سہارا بہم پہنچاتے ہیں جب کوئی کام کرنے لگے تو وہ اس کے شریکِ کار بنتے ہیں اور جب وہ میدانِ جہاد و قتال میں مصروفِ حرب و ضرب ہوتا ہے تو دوسرے اہلِ ایمان اس کے دوش بدوش لڑتے ہیں۔ ایک ہزار ایماندار جب کسی دشمن کی جمعیت پر حملہ آور ہوتے ہیں تو ان میں سے

کوئی بھی خود کو تنہا محسوس نہیں کرتا بلکہ ہر ایک اپنے آپ کو ہزار، ہزار افراد کی قوت سے سرشار پاتا ہے یا بالفاظِ دیگر وہ ہزار افراد تنِ واحد کی صورت اختیار کر جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا ایک لشکر دشمن کی فوج کے سامنے صف آرا تھا اور درمیان میں ایک دریا حائل تھا۔ سپہ سالار نے حکم دیا کہ دریا میں چھلانگیں لگا دو اور اسے پار کر کے دشمن پر حملہ آور ہو جاؤ۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے سارا لشکرِ اسلام دریا میں تھا۔ دوسری طرف دشمن حیران تھا کہ یہ انسان ہیں یا کوئی دوسری مخلوق۔ وسطِ دریا میں جب یہ لشکر پہنچا تو سب نے غوطہ لگایا اور دشمن نے خیال کیا کہ غرق ہو گئے مگر لشکرِ اسلام اچانک پھر نمودار ہو گیا۔ دشمنانِ اسلام ایک دوسرے سے استفسار کرنے لگے یہ ماجرا کیا ہے؟ آخر انہیں پتہ چلا کہ کسی سپاہی کا پیالہ دریا میں گر گیا تھا اور وہ چیخا "میرا پیالہ" "میرا پیالہ"۔ یہ سننا تھا کہ سب سپاہی اپنے بھائی کا پیالہ تلاش کرنے کی غرض سے پانی میں نیچے چلے گئے۔ اِس ہمدردی و خیر خواہی کا نتیجہ یہ نکلا کہ دشمن کی فوج سوچنے لگی: ایک پیالہ دریا میں گر جانے پر یہ لوگ تعاون و ایثار کا اتنا بھرپور مظاہرہ کرتے ہیں تو اگر ہم نے خود ان میں سے کسی کو قتل کر دیا تو نہ معلوم یہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں۔ اِسی احساس نے ان کی کمرِ ہمت توڑ دی، اُن کے حوصلے پست کر دیے اور مسلمانوں کے جذبۂ اخوت کے سامنے دشمن گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گیا۔

ایمان جتنا مضبوط ہو قوت کا احساس اتنا ہی شدید ہوتا ہے

مندرجہ بالا سطور میں عرض کیا جا چکا ہے کہ اللہ پر ایمان، حق و صداقت پر ایمان، خلودِ حیات پر ایمان اور قضاء و قدر اور اخوت پر ایمان ہی درحقیقت ایک انسان کے مصادرِ قوت ہیں۔ اب یہ بات بھی ذہن نشین کر لیجئے کہ مذکورہ بالا حقائق پر جتنا کسی کا ایمان پختہ ہوتا ہے اتنا ہی وہ خود کو قوی محسوس کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جو حوصلہ شکن حالات پیدا ہو گئے اور اُن میں جس طرح سیدنا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امت کو سنبھالا دیا اسے دیکھتے ہوئے جنابِ فاروق ؓ کو اعتراف کرنا پڑا والله لو وزن ایمان ابی بکر بایمان هٰذه الامة لرجح .... "بخدا اگر ابو بکر ؓ کا ایمان ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور پوری امت مسلمہ کا ایمان ترازو کے دوسرے پلڑے میں تو ابو بکر ؓ کا پلڑا ہی بھاری رہے گا۔ رسولِ پاک ؐ کی وفات کے صدمہ سے بڑے بڑے صحابہ ؓ کے اوسان خطا ہو گئے تھے خود عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقتی طور پر اپنے حواس کھو بیٹھے۔ اس موقع پر جنابِ صدیق ؓ کا یہ اعلان ان کی زبردست قوتِ ایمانی کا کھلا ہوا ثبوت ہے:

من کان یعبدُ محمدًا فانّ محمدًا — جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتا تھا

قد مات ومن كان يعبد الله	وہ سن لے کہ محمدؐ وفات پا چکے ہیں اور جو خدائے واحد
فإن الله حيٌّ لا يموت۔	کا پرستار ہے اس کے لیے خوف اور گھبراہٹ کی
	کوئی بات نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے
	اُسے موت اور فنا نہیں۔

جیشِ اسامہؓ جسے شام کی طرف بھیجنے کا فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات سے قبل فرما چکے تھے حضورؐ کی وفات کے بعد عام اصحابِ رسولؐ اس کی روانگی کو اس احساس کے تحت موخر کر دینا چاہتے تھے کہ آپؐ کی وفات کی خبر قبائلِ عرب میں نہ معلوم کیا ردِ عمل پیدا کرے لہذا اس امر کے متحقق ہونے تک کہ وہ اسلامی حکومت کا ساتھ بھی دیتے ہیں یا نہیں، جیش روانہ نہ کیا جائے۔ مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ جناب رسالتمآبؐ کا یہ فیصلہ ہر قیمت پر نافذ کر دینا چاہتے تھے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں ابوبکر کی جان ہے اگر میرا گمان یہ ہوتا کہ درندے میری بوٹیاں نوچ لیں گے پھر بھی میں جیشِ اسامہؓ کو روانہ کر کے رہتا جیسا کہ رسولِ پاکؐ نے اس کی روانگی کا حکم صادر فرمایا ہے اور اگر لشکر بھیجنے کے بعد میں کہیں تن تنہا رہ جاؤں پھر بھی آپ کے فیصلہ کو نافذ کر کے رہوں گا۔ غور فرمائیں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ باتیں کس برتے پر کر رہے تھے؟ انہیں کس قوت و طاقت کا سہارا تھا؟ وہ تنہا تھے پھر بھی اپنے موقف پر ڈٹے ہوئے تھے۔ یہ سب کچھ محض قوتِ ایمانی کا نتیجہ تھا۔ اس طرح مرتدینؓ مانعین زکوٰۃ کا معاملہ جب پیش آیا تو بعض لوگوں نے مشورہ دیا:۔

يا خليفة رسول الله لا طاقة	اے رسول اللہ کے جانشین آپ میں سارے عرب
لك بحرب العرب جميعا الزم	کے ساتھ لڑائی کرنے کی طاقت نہیں لہذا دروازے
بيتك واغلق بابك واعبد ربك	بند کر کے اپنے گھر بیٹھ رہیے اور اپنے پروردگار
حتى ياتيك اليقين۔	کی عبادت کیجیے تا آنکہ موت آجائے۔

اسی قسم کی رائے جب حضرت عمرؓ کی طرف سے بھی آئی تو آپ نے نہایت سختی سے اس کا نوٹس لیا اور انہیں مخاطب کر کے فرمایا أجبارٌ في الجاهلية فوارٌ في الاسلام يا ابن الخطاب۔ خطاب کے بیٹے! جاہلیت میں تم بڑے دلیر تھے اسلام قبول کر کے بزدل ہو گئے ہو یاد رکھو وحی مکمل ہو چکی ہے اور زکوٰۃ کا نصاب مقرر ہے میرے جیتے جی اس میں کمی نہیں ہو سکتی۔ خدا کی قسم اگر مانعینِ زکوٰۃ نے مجھے اونٹ باندھنے کی رسی بھی دینے سے انکار کیا جسے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ادا کرتے تھے تو میں ان سے جنگ کروں گا۔

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت کے یہ چند واقعات اس لیے نقل کیے گئے ہیں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ مضبوط ایمان کے حامل لوگ کتنی غیر معمولی طاقت کے مالک ہوتے ہیں۔ کس طرح تن تنہا وہ بڑی بڑی جمعیتوں سے ٹکرا جاتے ہیں اور اپنے عزمِ محکم کی بناء پر ایک دنیا کی دنیا کے خیالات و نظریات تبدیل کرکے اسے اپنا ہمنوا بنا لیتے ہیں۔

یہ ایمانِ محکم انہیں ہر حال میں عدل و انصاف پر قائم رکھتا اور حق و صداقت کا ترجمان بنا دیتا ہے۔ مادی سہاروں کی کوئی اہمیت ان کی نظر میں باقی نہیں رہتی۔ خوی وہ طاقتور ایمان ان کے قول و عمل میں اخلاص پیدا کر دیتا ہے۔ خوف و حرص ان کے قریب نہیں پھٹکتا اور اپنے وقت کے جابر و مستبد حکمرانوں کو وہ پرِ کاہ کے برابر بھی نہیں سمجھتے۔ یہ سب باتیں محض زبانی باتیں ہی نہیں بلکہ تاریخ کے صفحات ان حقائق سے بھرے پڑے ہیں۔

عالمِ اسلام اور پاکستان

(جناب خلیل احمد حامدی)

[اسلامی کانفرنس کے بعد بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب عالم اسلام کے ساتھ پاکستان کے رشتے ہر لحاظ سے مستحکم ہو جائیں گے مگر راقم کو اس سطحی فیصلہ سے اختلاف ہے۔ راقم کی نظر میں اس کانفرنس نے مجموعی طور پر جو رخ اختیار کیا ہے وہ خود اس امر کی غمازی کر رہا ہے کہ اس میں پاکستان سے زیادہ بھارت کی خدمت کی گئی ہے۔ چنانچہ ذیل کے مضمون میں پاکستان کے خارجی اثرات کا جو تجزیہ کیا گیا ہے اور بھارت کی کامیاب خارجہ سیاست اور پاکستان کی ناکام پالیسی کی جو مثالیں دی گئی ہیں ان میں ابھی بنیادی تبدیلی کے کوئی آثار نہیں نظر آتے۔ پاکستان کی خارجہ سیاست ایک مزمن مرض میں گرفتار ہے۔ ایک آدھ کانفرنس سے اس کا علاج ممکن نہیں ہے۔ مزمن مرض کا علاج صرف کوئی مسیحا ہی کر سکتا ہے۔ (خلیل حامدی)]

راقم ۱۲ سال سے متواتر عالم اسلام کے مختلف حصوں میں بادیہ پیمائی کر رہا ہے۔ اور آج بارہ سال کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ پاکستان عالم اسلام کے اندر وہ نفوذ اور خیر سگالی کے جذبات پیدا نہیں کر سکا جو وہ بآسانی پیدا کر سکتا تھا۔ اس کی متعدد وجوہ ہیں۔ سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ پاکستان نے اسلامی دنیا کے اندر اسلام کی بنیادوں پر کوئی کام نہیں کیا ہے۔ پوری اسلامی دنیا کے اندر اسلام ایک ایسا مضبوط رشتہ ہے جس کی برکت و مضبوطی کے بل پر ہم جاکارتہ سے لے کر الدار البیضاء تک اور انقرہ سے لے کر مقدیشو تک ہر مسلمان شخص کے دل میں گھر کر سکتے تھے اور زندگی کے تمام مسائل میں اسے اپنا یارِ غار بنا سکتے تھے۔ اس مقدس و مستحکم رشتے کو استعمال کرنے کے بجائے ہم نے اسے ہر لحاظ سے کمزور تر کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ آپ اس تمام لٹریچر کا جائزہ لے لیں جو وزارت خارجہ پاکستان کی طرف سے عربی زبان میں تیار کیا جاتا اور سفارت خانوں کے ذریعے مسلم دنیا میں پھیلایا جاتا رہا ہے۔ عربی زبان کا ایک سہ ماہی مجلہ الوعی کے نام سے

پچھلے عرصہ میں حکومت پاکستان کی طرف سے نکلتا رہا ہے۔ مگر اس رسالے نے عرب دنیا کے اندر پاکستان کی جو تصویر پیش کی ہے وہ انتہائی شرمناک ہے۔ اس میں صرف یہ بتایا جاتا رہا ہے کہ پاکستان کے مختلف علاقوں میں کیسی کیسی خوبصورت لڑکیاں پائی جاتی ہیں۔ مختلف حصوں میں عورتیں کیا کیا لباس پہنتی ہیں۔ رقص و سرود کے کیا کیا زاویے اختیار کیے جاتے ہیں۔ علامہ اقبال علیہ الرحمۃ پر بے شک بعض مضامین اس میں شائع کیے گئے ہیں مگر ان میں علامہ اقبال کی "اسلامیت" کو ہرگز نمایاں نہیں کیا گیا بلکہ ان کے تجریدی افکار اور فلسفیانہ آراء کو بھونڈے انداز میں پیش کیا گیا۔ البتہ اس امر کا بھی خاص طور پر اہتمام کیا گیا کہ اگر علامہ اقبال یا کسی پاکستانی صوفی یا مفکر پر اگر کوئی مضمون چھاپا گیا تو ساتھ ہی اگلے صفحہ پر کسی سندھی یا پنجابی لڑکی یا کسی بلوچی یا کافرستان کی دوشیزہ کی ابھری ہوئی چھاتی یا بے خالہ حسن دکھانے کی بھی پوری کوشش کی گئی۔ کیا عالم اسلام میں ہم پاکستانی دوشیزاؤں کے حسن اور گل اندامی کے ذریعے کوئی پاکیزہ جذبات حاصل کر سکتے ہیں۔ معاملہ اگر چشم غزال اور زلفِ طرح دار اور ساق سیمیں کا ہی ہے تو دنیا کو پاکستان کی طرف نظر اٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔ دنیا کے لیے پھر بیروت کا حسن دلکش، حلب کی رعنائی، ساحل نیل کے نظارے، استنبول کی شب ظلمات، جلیبوٹی کا حسن سیاہ فام اور انڈونیشی جزیروں کے بیلے رقص زیادہ پرکشش رہیں گے۔ اور پی آئی اے کی ائیر ہوسٹسوں کے بجائے لوگوں کی نظریں مڈل ایسٹ ائیر ویز کی منی اسکرٹ میں ملبوس مضیفات (مہمان نواز لڑکیوں) کو تلاش کریں گی۔

وزارت خارجہ نے اسلام کو اپنے کھاتے سے نہ صرف نکالے رکھا بلکہ اس کی مخالفت کی گئی۔ یہ امر واضح ہے کہ عالم اسلام میں مولانا مودودی ایک عظیم اسلامی مفکر اور عہد حاضر کے ہردلعزیز مصلح کی حیثیت سے معروف ہیں۔ اس شہرت میں کسی بے بنیاد پروپیگنڈے کو دخل نہیں ہے بلکہ مولانا مودودی کے سلجھے ہوئے افکار، جاذب اسلوب نگارش، صحت مندانہ اسلامی تشریحات اور عظیم قوت کردار نے نئی نسل کو موہ رکھا ہے۔ ان کی کتابیں دنیا کی چوبیس مختلف زبانوں میں منتقل ہو چکی ہیں۔ صرف عربی زبان میں ۵۰ سے زائد ان کی کتابیں چھپ چکی ہیں۔ اسی طرح ترکی زبان میں بھی بیس تک ان کی اہم کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔ مسلم دنیا کی دوسری زبانوں مثلاً انڈونیشی، ملائشی، فارسی بلکہ ہوسا (شمالی نائجیریا کے مسلمانوں کی زبان) تک میں ترجمہ کی تحریک تیزی کے ساتھ جاری و ساری ہے۔ مذہبی اداروں اور جدید یونیورسٹیوں میں ان کی بعض کتابیں شامل نصاب ہیں۔ ان سب اسباب کی بنا پر مولانا مودودی اسلام پسند عناصر کے قائد اور رہنما کی حیثیت سے مسلم دنیا میں غیر معمولی مقام حاصل کر چکے ہیں۔ مگر پاکستان کی وزارت خارجہ کا ماضی اس لحاظ سے نہایت افسوسناک

ہے کہ اس نے ایک پاکستانی مفکر کی بین الاقوامی مقبولیت سے فائدہ اٹھانے کے بجائے اس کے خلاف محاذ آرائی کیے رکھی۔ ایوب خان کے دور میں ایسا عربی لٹریچر پاکستان سفارت خانوں کے ذریعہ عرب اور مسلم ممالک میں پھیلایا جاتا رہا جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ مولانا مودودی ایک "گمراہ شخصیت" کا نام ہے۔ یہ ایک ایسا سفید جھوٹ تھا جو ہر شخص پر اظہر من الشمس تھا۔ اس جھوٹ سے مولانا مودودی کی ذات کو تو کوئی نقصان نہ پہنچا۔ البتہ حکومت پاکستان پر نفرین کے الفاظ ضرور کہے گئے۔ مجھے یاد ہے کہ ۱۹۶۶ء میں جب مولانا محترم اور راقم حج پر گئے تو وہ صاحب جو پاکستان کی وزارت خارجہ کی طرف سے عربی لٹریچر تیار کیا کرتے تھے شبرا ہوٹل میں مولانا مودودی سے ملنے آئے اور انہوں نے مولانا محترم سے معافی مانگتے ہوئے اس امر کا اعتراف کیا کہ ہم مولانا کی طرف صاف صاف جھوٹی باتیں گھڑ کر منسوب کرتے ہیں اور ہزاروں روپے خرچ کر کے انہیں مسلم دنیا میں پھیلاتے ہیں۔ وہ صاحب اس وقت ابھی ملازمت پر تھے۔ اب ریٹائرڈ ہو چکے ہیں اور بیرون میں مقیم ہیں۔ ان کے نام سے اگر عام قارئین ناواقف ہیں تو وزارت خارجہ اور وزارت اطلاعات اس سے ناواقف نہیں ہے۔ ایک مرتبہ میں رابطہ عالم اسلامی کے ڈپٹی سیکرٹری جنرل شیخ صالح قزاز (جو اب سیکرٹری جنرل ہیں) کے دفتر میں بیٹھا تھا۔ ڈاک میں ان کے پاس ایک پیکٹ آیا جس میں ایک عربی کا پمفلٹ تھا۔ اس کا نام تھا "مودودی دین کا بھیس بدل کر دین کی بیخ کنی کر رہا ہے"۔ یہ پمفلٹ پاکستانی سفارت خانہ (جدہ) کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔ شیخ صالح نے اسے دیکھتے ہی فوراً میرے سامنے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا۔ ایسی تمام کتابوں اور تحریروں کا حشر ہر جگہ یہی ہوتا رہا۔ مدعائے گزارش یہ ہے کہ حکومت پاکستان نے مسلم دنیا میں نہ خود اسلام کو کام کی بنیاد بنایا اور نہ کسی دوسری کوشش کی حوصلہ افزائی کی۔ اور نتیجتاً پاکستان اور عالم اسلام کے درمیان اسلام کا رشتہ کمزور ہوتا چلا گیا۔

موجودہ دنیا کے اندر باہمی تعلقات اور رشتوں کی دوسری بڑی بنیاد اقتصادی مفادات کا تبادلہ ہے۔ اقتصادی مفادات ایک ایسا موثر محرک ہے کہ قوموں اور ملکوں کے تمام سیاسی اور ثقافتی رشتے اسی محرک کی گرفت میں رہتے ہیں۔ جہاں اقتصادی تعلقات مضبوط ہوں گے وہاں سیاسی اور ثقافتی محبت بھی پیدا ہو جائے گی، اور اقتصادی تعلقات کی کمزوری سیاسی رفاقت اور ثقافتی ہم آہنگی کو اگر ختم نہ کر دے گی تو بے اثر ضرور کر دے گی۔ پاکستان نے پورے پچھلے دور میں اس میدان میں بھی مار کھائی ہے۔ یہ میدان پاکستان کے لیے اس لحاظ سے بھی اہم اور نازک تھا کہ پاکستان کا طاقتور حریف بھارت ہر جگہ

پاکستان کا مقابلہ کر رہا تھا - اور پاکستان کی ہر غلطی سے فائدہ اٹھانے کے لیے ہر وقت تیار رہتا تھا - بلکہ وہ اپنی ڈپلومیسی کے ذریعے سے یہ کوشش کر رہا تھا کہ پاکستان اس معاملے میں لازماً غلطی پر غلطی کرتا چلا جائے - چنانچہ وہ کامیاب رہا اور پاکستان چت گر گیا -

اب کہا جا رہا ہے کہ پاکستان عرب ممالک اور بالخصوص خلیج کی ریاستوں کے ساتھ تجارتی اور اقتصادی ناطے بحال کر رہا ہے - مگر راقم کے اس یقین میں ابھی تک کوئی تزلزل نہیں آیا کہ پاکستان عرب ممالک میں اپنی تجارتی ساکھ کو تاہنوز زندہ نہیں کر سکا ہے - ۲۵ سال میں پاکستان اور پاکستان کے تاجروں نے جو غلط فہمیاں عرب مارکیٹ کے اندر راسخ کی ہیں وہ کیونکر ایک سال کے اندر اندر رفع ہو سکتی ہیں - عرب تاجروں کے اندر اب یہ بات بہت گہری نقش ہو چکی ہے کہ پاکستانی تاجر ٹھگ اور "غشاش" (دھوکے باز) ہوتا ہے - میں ایک مرتبہ کویت کے نامور تاجر علی عبدالوہاب کے دفتر میں بیٹھا تھا - اتنے میں ان کے پاس پاکستانی سفارت خانے کی طرف سے فون آیا کہ پاکستانی تاجروں کا ایک وفد کویت کا دورہ کر رہا ہے - آج رات پاکستانی سفارت خانہ ان کے اعزاز میں عشائیہ دے رہا ہے - لہٰذا آپ بھی اس عشائیہ میں شریک ہوں اور پاکستانی تاجروں سے تعارف اور تبادلۂ خیال کریں - علی عبدالوہاب کی فرم کے انچارج نے جو ہمارے گہرے دوست ہیں، مجھے مسکراتے ہوئے یہ "مژدۂ جانفزا" سنایا میں بھی بڑا مسرور ہوا - اور انہیں تاکید کی کہ نہ صرف... آپ لازماً اس عشائیہ میں شریک ہوں بلکہ پاکستانی تجار کے ساتھ تجارتی معاملات کا آغاز کر دیں اور پاکستان سے درآمد شروع کر دیں - میں نے رواروی میں انہیں بتایا کہ آپ کو ماربل کی ضرورت ہوتی ہے، پاکستان میں ماربل آپ کو بافراط اور اعلیٰ نوعیت کا مل جائے گا - اسی طرح میں نے چمڑے کی مصنوعات، قالین، کھیلوں کے سامان اور سرجری کے اوزار تک ایک ہی سانس میں پڑھ کر سنا دیے جنہیں وہ کویت منگوا سکتے تھے - موصوف مسکرا کر خاموش ہو گئے اور پھر بولے میں پاکستان سے ہرگز کوئی سامان نہ منگواؤں گا - جن کویتی تجار نے یہ تجربہ کیا ہے وہ ہم سب کے لیے بہت بڑا سبق آموز ہے - آدھ گھنٹے کے بعد اسی دفتر میں دو پستہ قد جاپانی چھوکرے آ گھسے - ان کے ہاتھ میں بڑے بڑے اٹیچی کیس تھے - ہمارے دوست ان کے استقبال کے لیے اٹھے اور ان کے اٹیچی کیس کھلوا کر کیٹلاگ دیکھنے لگے - اور بہت سی چیزوں کا آناً فاناً آرڈر بک کرا دیا - وہ جب ان سے فارغ ہوئے تو میں نے دریافت کیا کہ کیا یہ "چھوکرے" قابلِ اعتماد ہیں - وہ فوراً بولے واللہ یہ قابلِ اعتماد ہیں - اور اس حد تک مجھے ان پر اعتماد ہے کہ یہ جو مال سپلائی کریں گے سو فیصد صحیح ہو گا - یہ سن کر بہت افسوس ہوا - پاکستانی تاجر کے زوال اور جاپانی تاجر کی ساکھ مجھے شدید ذہنی خلفشار میں دوچار کر گئی اور بھارت

اس صورت حال سے فائدہ اٹھانے کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے۔ سورن سنگھ نے حال ہی میں کویت کے ساتھ جو طویل المیعاد تجارتی معاہدہ کیا ہے وہ اس کی ایک نمایاں مثال ہے۔

سعودی عرب میں جائیے۔ اور وہاں کے تاجروں سے پاکستانی مصنوعات کی بات سنیے۔ آپ کو خود اندازہ ہو جائے گا کہ ہم کہاں کھڑے ہیں اور بھارت کہاں تک پہنچ چکا ہے۔ جدہ کے شارع عبدالعزیز پر ایک ترکستانی کی دکان ہے۔ اس کا نام ہے محسن بخاری۔ اس دکان دار نے ایک مرتبہ ہماری ترغیب سے پاکستان سے احرام کے تولیے منگوا لیے۔ وہ دن ہے اور آج کا دن یہ دکاندار پاکستانی تاجروں کی جان کو رو رہا ہے۔ اور ہماری بار بار کی ترغیب سے اس کے اندر دوبارہ کچھ آمادگی پیدا ہوتی ہے تو دو قدم آگے بڑھ کر پھر پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ پاکستان کے جوتے اور خصوصاً زری کے زنانہ جوتے سعودی عرب میں خوب چل سکتے ہیں۔ مگر چلانے والے خود حسن نیت سے عاری ہیں۔ ریاض میں جب پاکستان کا قلمی آم پہنچا تو وہاں کے لوگوں نے کام و دہن کی خوب تواضع کی اور پاکستان کو دعائیں دیں۔ مگر جب آموں کی آخری پیٹیاں وہاں پہنچ گئیں تو ان لوگوں کی مدح قدح میں بدل چکی تھی۔ چمڑے کا سامان سعودی عرب میں برطانیہ سے آرہا ہے۔ مگر وہ بہت مہنگا ہے اس کے مقابلے میں پاکستان کے بنے ہوئے چرمی سوٹ کیس۔ اٹیچی کیس، اور بریف کیس ان کے لیے سستے رہتے ہیں اور مارکیٹ پر اپنا رنگ جما سکتے ہیں۔ کھیلوں کا سامان بھی اسی مقبولیت سے بہرہ اندوز ہو سکتا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ پاکستانی تاجروں کے دل میں امانتداری اور عربوں کے دل میں اعتماد کی بحالی کی ضمانت کون دے۔

پاکستان کا ہر فرد کسی نہ کسی وجہ سے لیبیا سے وابستہ ہو چکا ہے۔ کچھ لوگ لیبیا میں ملازمت کے لیے جا چکے ہیں۔ ان کے بچے اور رشتہ دار لیبیا کے نام سے واقف ہو چکے ہیں اور ایک حلقہ لیبیا کے صدر قذافی کا گرویدہ ہے۔ مگر کیا آپ جانتے ہیں کہ لیبیا میں پاکستانی صنعت کا نہ تعارف ہے اور نہ مانگ اس کی وجہ کیا ہے۔ اس سے ہمیں سروکار نہیں ہے۔ ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ لیبیا میں بھارت کے تولیے پسند کیے جا رہے ہیں، بھارت کی دوائیں لیبیا کی بیماریوں کے خاتمے میں حصہ لے رہی ہے اور اب لیبیا کے اندر بھارت ایک ٹیکسٹائل مل لگا رہا ہے۔ بھارت نے لیبیا کی انقلابی کونسل کے کچھ ارکان سے محبت کی پینگیں بڑھا رکھی ہیں اور ان کی مدد سے وہ کیکڑے کی طرح اپنے ہاتھ پاؤں پھیلا رہا ہے۔ اور اب بھارت نے حکومت لیبیا سے یہ منظوری حاصل کر لی ہے کہ بھارت کا بحری جہاز لیبیا کی بندرگاہ طرابلس پر سامان سے کر لنگر انداز ہوا کرے گا۔ بھارتی اثرات کی وجہ یہ نہیں ہے کہ بھارت کے پاس عربوں کو موہ لینے اور عرب تاجروں کو رام کرنے کے لیے ایسی گیدڑ سنگی ہے جو پاکستان کے پاس نہیں ہے۔ پاکستان

اثرات کی وجہ یہ ہے کہ بھارت کے مختلف ادارے اپنے اثرات کو وسیع سے وسیع تر کرنے کے لیے شب و روز محنت کرتے ہیں۔ لیبیا میں بھارتی سفیر ایک پارسی ہے۔ اس کی بیوی ہر ہفتے لیبیا کے مختلف ہسپتالوں کا دورہ کرتی ہے اور مریض خواتین خواہ وہ عرب ہوں یا غیر عرب ان کی تیمارداری کرتی ہے۔ نیز بھارتی سفارت خانے کا کمرشل اتاشی ایک نہایت ہوشیار اور شاطر انسان ہے۔ وہ اپنے ہاں کے تاجروں کو لیبیا کے تاجروں کے نام اور پتے بھیجتا رہتا ہے اور انہیں توجہ دلاتا رہتا ہے کہ وہاں تاجروں کو فلاں فلاں اشیاء کی پیشکش کریں، نیز وہ مختلف اشیاء کے بین الاقوامی قیمتوں اور لیبیا میں ان اشیاء کی مناسب قیمتوں کے تخمینے بھی انہیں بھیجتا رہتا ہے۔ یہ وہ گیدڑ سنگی ہے جو فی الواقع پاکستان کے پاس نہیں ہے۔ لیبیا میں پاکستانی سفارت خانے کی کارکردگی سے ہم بخوبی آگاہ ہیں۔ خود عبدالحفیظ پیرزادہ صاحب کو پاکستانی سفارت خانے کے خدوخال کا پورا علم ہے۔ پچھلے سال جب پیرزادہ صاحب بن غازی میں ایک کانفرنس میں شرکت کے لیے گئے تو ان کے سامنے پاکستانیوں نے لیبیا میں پاکستانی سفیر کو گریبان سے پکڑ لیا اور ان سے یہ سوال کیا کہ اس کانفرنس میں جہاں تمام مسلم ممالک کے جھنڈے لہرا رہے ہیں وہاں پاکستان کا جھنڈا کیوں نہیں لہرا رہا ہے۔ یہ ایک معمولی سی بات ہے تو کیا تجارتی معاملات میں اس سے بڑھ کر کوتاہی نہ ہوتی ہوگی۔

کچھ شکایات ہمیں لیبیا کے لوگوں سے بھی ہیں۔ مثلاً لیبیا میں جو پاکستانی نرسیں ملازمت کر رہی ہیں ان سے نہ صرف نرسنگ کی خدمات لی جاتی ہیں بلکہ انہیں ہسپتال کے فرش دھونے اور کھڑکیوں کو صاف کرنے کی خدمت بھی لی جاتی ہے۔ دورہ لیبیا کے موقع پر ایک پاکستانی نرس نے اپنی یہ درد بھری داستان ہمیں سنائی اور جب ہم نے یہ کہا کہ پاکستانی سفارت خانے کو توجہ دلانی چاہیے کہ وہ متعلقہ وزارت کو آگاہ کرے کہ نرس نرسنگ کے لیے ہے نہ کہ خاکروبی کے لیے تو اس بیچاری نے کہا کہ پاکستانی سفارت خانہ یہ جواب دیتا ہے کہ "تمہیں کس نے کہا تھا کہ یہاں آؤ"۔ بھارت کے کسی باشندے کو اگر وہاں کوئی تکلیف ہوتی ہے تو وہ اونچی سے اونچی سطح پر اس کے ازالے کی کوشش کرتا ہے۔ سعودی عرب، کویت اور امارات خلیج کا حال بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔ عربوں کے اندر بھی قوم پرستوں، مصر نوازوں اور اشتراکیوں کا ایک ایسا گروہ موجود ہے جو اپنے سامنے پاکستانیوں کو دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ مگر اپنوں کا تغافل انتہائی قابل افسوس ہے۔ عربوں کے اچھے لوگوں کو ہم اپنے اعتماد میں لے کر اپنے نفوذ کا ذریعہ بنا سکتے ہیں۔ پچھلے سال حج کے موقع پر بھارت کا جیسور نامی جنگی جہاز ایام حج میں خیرسگالی کے دورہ پر جدہ آکر لنگر انداز ہوا تھا۔ اس جہاز کا نوٹس پاکستانی سفارت خانے نے نہیں لیا بلکہ ایک عرب

اخبار نویس نے لیا اور اس نے اپنی وزارت اطلاعات کے ذریعہ اپنی حکومت کو یہ شکایت کی کہ یہ وہی جہاز ہے جس کے بارے میں بھارتی سفیر یہ پروپیگنڈا کر رہا ہے کہ اس نے ۱۹۷۱ء کی جنگ میں کراچی پر کامیاب بمباری کی ہے اور اب کیا اس جہاز کو اس پروپیگنڈے سمیت جدہ میں اس لیے لنگر انداز ہونے کی اجازت دے دی گئی ہے کہ یہ پاکستانی حجاج کی چھاتیوں پر مقدس سرزمین میں مونگ دلے۔

امارات خلیج کے بارے میں ہماری یہ شروع سے رائے ہے کہ یہ امارات پاکستان کے لیے مغربی فصیل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بھارت مسلسل اس فصیل کو سدِ مارب کے چوہے کی طرح کھوکھلا کر رہا ہے۔ امارات خلیج میں جہاں پاکستانی باشندوں کی بہت بڑی تعداد ملازمت یا کاروبار کے سلسلے میں رہتی ہے وہاں ہندوستان کے باشندے بھی کثیر تعداد میں رہتے ہیں۔ بلکہ بعض جگہوں پر تو ہندوؤں نے اپنی گرفت کئی لحاظ سے مضبوط کر رکھی ہے۔ مثلاً دبئی میں سونے کا تمام کاروبار ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے۔ اور ایک مدت تک وہاں کسی پاکستانی زرگر کے قدم نہیں جمنے پائے۔ ان پاکستانی باشندوں کو کاروبار تجارت اور ملازمت کے میدان میں پاکستانی سفارت خانوں کی طرف سے کوئی سایہ فراہم نہیں ہوتا جبکہ بھارتی نمائندے وہاں جگہ جگہ بھارتی باشندوں کے سر پر چھتری تانے کھڑے رہتے ہیں۔ سورن سنگھ کے دورروں نے اب حالات کو اور خراب کر دیا ہے۔ اس نے امارات کے حکمرانوں کے کان میں یہ بات ڈال دی ہے کہ پاکستانی لیبر جو تنخواہیں لے گی بھارتی لیبر اس سے نصف تنخواہ پر یہاں کام کرنے کو تیار ہے۔ سورن سنگھ کی یہ بات بہت بڑی عیاری پر مبنی ہے۔ پاکستانی وزیر خارجہ نے بھی خلیج کے دورے کیے ہیں مگر ان کے دورے سورن سنگھ کی شرارتوں کا سدِ باب نہیں کر سکے ہیں۔ کیونکہ امارات کے اندر جو تعمیری منصوبے جاری ہیں ان میں بھارتی کمپنیاں دخل اندازی کر رہی ہیں۔ ہم قطر کے حکمران شیخ خلیفہ کے دفتر میں بیٹھے تھے قطر کی فوج کے ایک بہت بڑے افسر شیخ عطیہ بھی وہاں آگئے وہ کچھ اور موجود لوگوں کے ساتھ افغانستان سے مال خریدنے کے صلاح مشورے کرنے لگے وہ مال ایسا تھا کہ پاکستان سے بھی برآمد کیا جا سکتا ہے۔ راقم نے بے تکلف ماحول دیکھ کر شیخ عطیہ سے کہا یہ مال آپ پاکستان سے منگوا سکتے ہیں۔ اور پاکستان کا بحری راستہ آپ کے لیے افغانستان سے قریب تر ہے۔ شیخ عطیہ جو خاصے فہیم اور ذکی نظر آتے تھے فوراً اچنبے کے ساتھ کہنے لگے کہ کیا فی الواقع پاکستان میں یہ مال پایا جاتا ہے؟ راقم نے انہیں بھرپور یقین دلایا کہ یہ مال آپ کو پاکستان سے مل سکتا ہے۔ چنانچہ ان کے سوچنے کا انداز بالکل بدل گیا۔ یہ دراصل سفراء اور وزارت خارجہ کے ملازموں کا کام ہوتا ہے کہ وہ بیرونی ملکوں کی نامور شخصیتوں کے گرد گھیرا ڈالے رکھیں اور ان کے سوچنے کے انداز پر اثر انداز

ہوتے رہیں۔

اب پروپیگنڈے کے میدان کا جائزہ لیجیے تو یہ ایسا میدان ہے کہ گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل۔ شروع میں عرض کرچکا ہوں کہ حکومت پاکستان نے اب تک پاکستان کا تعارف کرانے کے بجائے بیرونی دنیا میں پاکستان کے نام نہاد کلچر کا تعارف کرایا ہے۔ یہ بتایا کہ پاکستان کے لوک گیت کیا ہیں اور لوک ناچ کیسا ہے۔ مگر یہ نہیں بتایا کہ پاکستان کی آئیڈیالوجی کیا ہے۔ جن لوگوں نے نظریہ پاکستان کے لیے بیرون ملک کچھ کام کیا ہے حکومت پاکستان نے انہیں اشیرباد دینے کے بجائے ان پر اخلاقی حملے کیے ہیں۔ پروپیگنڈے کے میدان میں وزارت خارجہ پاکستان کا صرف "یہ عظیم" کارنامہ سامنے آتا ہے کہ اس نے مصر کے نامور مرحوم اہل قلم عباس محمود العقاد سے قائداعظم محمد علی جناح مرحوم پر ایک کتابچہ لکھوایا ہے۔ اس کتابچے کے اندر بھی مرحوم کو ایک نہایت تجریدی قائد کی حیثیت سے پیش کیا گیا۔ اس میں عقاد مرحوم کا کوئی قصور نہیں ہے۔ عقاد نے تو رنگ آمیزی کرنے کی بہت کوشش کی ہے۔ یہ قصور دراصل مواد فراہم کرنے والوں کا ہے۔ غالباً یہ مواد فراہم کرنے والا وہ سفیر تھا جس کا ایک بھائی بھارت کی طرف سے سفارت یا کوئی اور ڈپلومیٹک خدمت سرانجام دیتا تھا۔ وزارت خارجہ کا دوسرا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اقبال پر عبدالوہاب عزام کی ایک کتاب شائع کر کے پاکستانی سفارت خانوں میں رکھ رکھی ہے۔ عبدالوہاب عزام اقبال کے شیدائی تھے۔ انہوں نے پیام مشرق اور ضرب کلیم کو عربی اشعار میں منتقل کیا اور اقبال پر متعدد مضامین تحریر کیے۔ اقبال کی سوانح حیات پر بھی انہوں نے قلم اٹھایا اور قابل ستائش مجموعہ تیار کر دیا۔ اس مجموعے کو کچھ عرصے سے پاکستانی سفارت خانوں کے ذریعہ تقسیم کرنے کے لیے چھپوایا گیا ہے۔ مگر یہ تقسیم ہوتا نظر نہیں آیا۔ رابطہ عالم اسلامی (مکہ مکرمہ) کے ایک کارکن کی طرف سے حال ہی میں راقم کو ایک خط موصول ہوا ہے جس میں انہوں نے عربی زبان میں اقبال پر ایک کتاب لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ عربی مکتبوں میں اقبال کی سوانح پر کوئی کتاب انہیں دستیاب نہیں ہوئی۔ گویا عربی مکتبے کیا خود رابطہ عالم اسلامی کا دفتر بھی عبدالوہاب عزام کی تالیف "اقبال" سے خالی ہے۔ اقبال کا ایک کتابچہ شکوہ اور جواب شکوہ عربی نظم میں ترجمہ ہوا ہے۔ مترجم مصر کا ایک نابینا شاعر شیخ صاوی شعلان ہے۔ پاکستانی حکومت نے اس کی خدمات حاصل کیں اور اس سے اس کتابچے کا ترجمہ کروایا۔ یہ ایک بہت اچھا کام ہے۔ مگر ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ اس کام کا اصل سہرا کس کے سر ہے اور کیسے کیسے ملحد اور تجدد مذہب کے علمبرداروں نے اس کی مخالفت کی۔ مصر کی نامور مغنیہ ام کلثوم نے شکوے کے کچھ اشعار اپنی لے میں پڑھے ہیں۔ عرب نوجوان ان اشعار اور اس مغنیہ کے ترنم

سے خاصا متاثر ہوا ہے۔ تحریک پاکستان کے دوسرے رہنماؤں، شعراء اور اہل قلم اور کارکنوں سے عالم اسلام قطعًا ناواقف ہے۔ محمد علی جوہر مرحوم کو ایک حلقہ جانتا ہے۔ اس لیے کہ ان کی قبر بیت المقدس میں ہے۔

بھارت کے پروپیگنڈے کا نظام بڑا متحرک، سائنٹیفک اور متلون ہے۔ پروپیگنڈے کی یہ تعریف نہیں ہے کہ بات کہہ دی جائے۔ بلکہ یہ تعریف ہے کہ بات دلنشین کر دی جائے۔ اس تعریف کی رو سے ہم پسماندہ اور بھارت پیشرو ہے۔ بھارت کا پروپیگنڈا دو اصولوں پر مبنی ہے۔ ایک منفی اصول جس کا خلاصہ یہ ثابت کرنا ہے کہ ہندوستان کی تقسیم ایک غلط اقدام تھا۔ اور یہ تقسیم استعماری سازش کے نتیجے میں بروئے کار آئی ہے۔ دوسرا مثبت اصول جس کا ماحصل یہ ہے کہ ایشیا اور علی الخصوص جنوب مشرقی ایشیا کی اصل طاقت بھارت ہے اور بھارت ایک جمہوری ملک ہے اس لیے بھارت ہی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جنوب مشرقی ایشیا میں بسنے والی انسانیت کی خدمت اور قیادت کی ذمہ داری ادا کرے۔ ان دونوں اصولوں کو ذہنوں میں جاگزیں کرنے کے لیے بھارت بے پناہ لٹریچر مشرق اوسط میں پھیلا رہا ہے۔ اس نے دنیائے عرب کے اعلیٰ درجہ کے ادباء و علماء اور مترجمین کو مٹھی میں لے رکھا ہے اور بڑے حکیمانہ انداز سے ان کے منہ سے وہ بات کہلوا رہا ہے جو اگر وہ اپنے منہ سے کہے تو اس کا دلوں پر کوئی اثر نہ ہو۔ آپ قاہرہ، بیروت، جدہ، کویت اور طرابلس کے مکتبوں کی سیر کریں آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ٹیگور سے لے کر گاندھی اور نہرو تک۔ گیتا سے لے کر تلاش ہند تک اور بنارس کے مندروں سے لے کر دلی کی جامع مسجد تک کس قدر معلومات افزا کتابیں شوروموں کی زینت بن رہی ہوں گی۔

ہم نے طرابلس (لیبیا) کے ایک مکتبے میں گیتا پڑی دیکھی تو انگشت بدنداں رہ گئے۔ بیروت کی تو دنیا ہی اور ہے۔ بیروت میں بھارت کا پروپیگنڈا ملے گا، اسرائیل کی سازش گاہیں ملیں گی اور اشتراکیت اور قومیت پر لٹریچر کے انبار ملیں گے۔ مگر پاکستان پر کچھ نظر نہ آئے گا۔ ہاں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تصانیف کے عربی ترجمے وہاں بافراط ملیں گے۔ مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم کی ایک کتاب "تاریخ الدعوۃ الاسلامیہ فی الہند" (ہندوستان میں اسلامی دعوت کی تاریخ) ملے گی۔ اسلام پر مولانا ابوالحسن علی ندوی کی جانفزا تحریریں ملیں گی۔ مگر میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ پاکستان پر کچھ نہ ملے گا۔ تاریخ پاکستان، نظریہ پاکستان، زعمائے پاکستان، پاکستانی ادب، پاکستانی معاشرت کے بارے میں اگر کوئی عرب محقق مواد حاصل کرنا چاہے تو عرب مکتبے بھی نفی میں سر ہلا دیں گے اور پاکستانی سفارت خانے بھی ایک غیر شیریں تبسم کے سوا کوئی جواب نہ دے سکیں گے۔

حیرت ہے کہ پاکستان کا اب تک کوئی جغرافیہ بھی نہیں چھاپا گیا ہے اور نہ عربی میں کوئی پاکستان کا جغرافیائی اور طبعی نقشہ ملتا ہے۔ یہ سب کام کرنے کے لیے اہل دل اور اہل قلم موجود ہیں۔ مگر ان کا کوئی قدردان نہیں ہے۔ بیروت یونیورسٹی کے ایک پروفیسر ڈاکٹر احسان حقی کو راقم عرصہ سے جانتا ہے۔ انہوں نے عربی زبان میں ایک کتاب تحریر کی ہے جس کا نام انہوں نے رکھا "کشمیر المسلمۃ" (مسلمان کشمیر) اس کتاب کی اشاعت کے بعد ان کے پاس بیروت کے بھارتی سفارت خانے کا ایک نوجوان جس کا نام مبارک احمد ہے اور جو مذہبًا قادیانی ہے آیا اور اس نے ڈاکٹر صاحب کو شکایت کی کہ انہوں نے اس تالیف میں بھارت کے بارے میں نامناسب خیالات اور غلط نظریات کا اظہار کیا ہے۔ اس نے ڈاکٹر صاحب کو پیشکش کی بلکہ اصرار کیا کہ وہ سفارت خانے کے خرچ پر کشمیر کی سیر کریں اور جموں اور دیگر وادیاں دیکھیں تاکہ انہیں کشمیر کے جنت نظیر خطہ کو دیکھنے کا موقع ملے اور کشمیری مسلمانوں کی آزادی، اور خوشحالی سے بھی آگاہ ہو سکیں۔ راقم کو ڈاکٹر حقی نے بتایا کہ وہ نوجوان مسلسل ان سے ملاقاتیں کرتا رہتا ہے اور اگر ڈاکٹر صاحب کے اندر پاکستان کی بے پناہ محبت موجزن نہ ہوتی تو دوسرے عرب اسکالرز کی طرح وہ بھی بھارتی حکمت عملی کا شکار ہو جاتے۔

غرض یہ کہہ رہا تھا کہ پاکستان کی وزارت خارجہ شروع سے پاکستان کے حق میں موثر پروپیگنڈا کرنے سے قاصر رہی ہے اور اس کا یہ قصور تا ہنوز دور نہیں ہوا۔ لبنان کے مفتی شیخ خالد حسن ایک مرنجان مرنج آدمی ہیں۔ مگر ہم جب بھی ان سے ملتے ہیں وہ یہی شکوہ کرتے ہیں کہ ایک طرف بھارتی سفیر وقتاً فوقتاً ان کے دارالفتوی میں آ کر ان سے ملتا رہتا ہے اور بڑے احترام کے ساتھ ان کو ہندوستان کے "سنہری کارناموں" سے متعارف کراتا رہتا ہے اور سفارت خانے کی تقریبات میں انہیں مدعو کرتا رہتا ہے اور دوسری طرف پاکستانی سفارت خانہ انہیں درخور اعتنا نہیں سمجھتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ مفتی صاحب جب کوئی پاکستان کے حق میں بیان دیتے ہیں تو اس کے چند روز بعد پاکستانی سفارت خانے کے ایک ملازم صلاح الدین خورشید صاحب (جو اب ریٹائرڈ ہو گئے ہیں) مفتی صاحب کا زبانی شکریہ ادا کر آتے ہیں۔ اور بس۔ میری گزارش یہ ہے کہ حکومت پاکستان بیروت کی اہمیت کو سمجھے۔ بیروت عرب ممالک کا دماغ ہے۔ تمام عرب ممالک میں بیروت کی علمی و ثقافتی تحریکیں اپنے اثرات ڈالتی ہیں۔ بیروت میں ایک مخلص اور پاکستان دوست اسلامی تحریک بھی موجود ہے۔ اس کا نام الجماعۃ الاسلامیہ ہے۔ اس کے سربراہ کا نام شیخ فیصل مولوی ہے۔ یہ تحریک صرف اسلامی رشتے اور اسلامی اخوت کے جذبے سے پاکستان کی غلام بے دام ہے۔ اس جماعت کے لوگوں کو بھی پاکستان کے مقاصد

کی ترویج کے لیے ذریعہ بنایا جا سکتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ یہ جماعت مولانا مودودی کی شدید مداح ہے۔ مگر حکومت اگر اس پہلو کو گوارا کرتے ہوئے محض مصالح پاکستان کی روشنی میں اس کا تعاون حاصل کرے تو وہ انکار نہیں کر سکتی۔ مگر یہ اس وقت ہوگا جب عربی محاورے کے مطابق ارادے سچے اور نیت صاف ہو۔

پہلے تو آپ یہ مطالعہ کریں کہ آپ کا دشمن بھارت کیسے نقب لگاتا ہے۔ بھارت کی دسیسہ کاری میں آپ کو ایک انوکھی مثال کے ذریعے بتاتا ہوں۔ پاکستان کا ایک پھل عرب ممالک میں پسند کیا جا رہا ہے وہ پھل ہے کینو۔ بھارت کو یہ احساس ہوا کہ پاکستانی کینو کی مقبولیت پاکستان کے حق میں خیر سگالی کے جذبات پیدا کر سکتی ہے۔ اور پاکستان عرب مارکیٹ میں اپنا مقام پیدا کرنے کے لیے اسے بطور زینہ استعمال کر سکتا ہے۔ اور پھر یہ خیال بھی کہ کینو میں ملاوٹ نہیں ہو سکتی اس لیے پاکستان سے جو کینو عرب میں جائے گا بہ ارادہ عمل پیدا کرے گا پاکستانی کینو کو رد کروانے کے لیے بھارت نے یہ چال چلی کہ چند لبنانی لیبارٹریوں سے رابطہ قائم کیا اور ان سے یہ رپورٹ لی کہ پاکستان سے آنے والی اشیائے خوردنی خواہ وہ پھل ہی کیوں نہ ہوں طبی نقطہ نظر سے قابلِ اعتراض ہیں۔ کیونکہ پاکستان دارالامراض ہے۔ وہاں طرح طرح کی متعدی امراض پھیلتی رہتی ہیں۔ اس لیے پاکستان کی اشیائے خوردنی سے پرہیز کیا جائے۔ یہ رپورٹ ایسے "معصوم" طریقے سے تیار کی گئی کہ اس سے یہ ثابت ہو کہ اس کی تہ میں انسانی صحت کے تحفظ کا جذبہ کارفرما ہے اور کوئی سازش پنہاں نہیں ہے۔ اس رپورٹ کو عام طریقے سے عرب ممالک کی وزارت ہائے صحت کو بھیج دیا گیا۔ عرب اس بارے میں بڑی شکی مزاج اور حساس واقع ہوئے ہیں۔ اس رپورٹ نے لازماً ان پر کسی نہ کسی حیثیت سے اثر کیا ہوگا۔ اور بھی بے شمار مثالیں ہیں جن کی تحقیق لازمی ہے اور جن کا سدِ باب علی الفور کیا جانا چاہیے۔

اب حال ہی میں پاکستان نے بعض عرب ممالک میں اپنے سنٹر کھولنے شروع کر دیے ہیں۔ مگر میں افسوس سے کہوں گا کہ ان کے پیچھے کوئی تعمیری جذبہ کارفرما نہیں ہے۔ بلکہ تخریبی ذہن کام کر رہا ہے۔ مثلاً کویت میں پاکستانیوں پر مشتمل جو پاکستان سنٹر کھولا گیا ہے وہ کویت کے پاکستانیوں کے اندر افتراق و انتشار کا موجب ہوا ہے۔ اور عربوں کے لیے ہدفِ استہزا بن رہا ہے۔ خلیج میں بھی جہاں جہاں پاکستانی سفارت خانے کھل رہے ہیں وہ اہل وطن کی خدمت کے بجائے ان میں تفریق پیدا کر رہے ہیں۔ کویت کے علاوہ اس کی دوسری مثال قطر ہے۔ لیبیا کے اندر تو پارٹی بازی کا تماشا راقم اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آیا ہے۔ بیرونِ ملک پاکستانیوں کی حفاظت و خدمت کرنی چاہیے۔ یہ ملک کے لیے زرِ مبادلہ کماتے ہیں۔ ان کو گھٹیا مقاصد

کے تحت پریشان کرنا ناروا ہے۔ وطن سے دوری انہیں وطن کا عاشق جانثار بنا دیتی ہے۔ ان پاکیزہ جذبات کا صحیح استعمال بڑے مسائل حل کر سکتا ہے۔ ان کی خدمات کا ایک فوری اور اہم پہلو یہ ہے کہ پاکستانی جن جن مسائل سے دوچار ہیں انہیں تگ و دو کرکے سلجھایا جائے۔ اور پاکستانی بھی اور مقامی حضرات بھی یہ محسوس کریں کہ پاکستانی ملازمین اپنی حکومت کی سرپرستی سے محروم نہیں ہیں۔ سرپرستی سے محرومی کی ایک مثال سے آپ کو میری یہ بات سمجھ میں آجائے گی۔ مثلاً سعودی عرب میں مصری لڑکی جو بی۔ اے پاس ہو کر گرلز اسکول میں اگر استانی بھرتی ہو جاتی ہے تو اسے ماہانہ ۲۴ سو ریال تنخواہ ملتی ہے۔ اس کے مقابلے میں پاکستانی لڑکی اگر ایم۔ اے پاس بھی ہو تو اسے بارہ سو ریال تنخواہ ملے گی۔ اس واضح امتیاز کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ مصری قوم عربوں کی محبوب قوم ہے۔ اور پاکستانی قوم لاوارث۔ کیا پاکستان کی وزارتِ خارجہ اس پہلو پر توجہ دے گی۔؟

افسوس ہے کہ بعض ناشرین میری اجازت اور علم و اطلاع کے بغیر میرے نام سے مختلف چیزیں چھاپ رہے ہیں، جن میں سے بعض سرے سے میری لکھی ہوئی بھی نہیں ہوتیں۔ ابھی حال میں لاہور کے ایک مکتبہ نے ایک کتابچہ "حضرت بایزید بسطامیؒ کی علمی کرامت" میرے نام سے شائع کیا ہے اور اس پر ماہ نامۂ پیغامِ حق لاہور جلد ۱۲ عدد ۴ ۔ ۵ ۔ ۶ بابت ماہ اپریل مئی جون ۱۹۴۶ء کا حوالہ درج کر دیا ہے۔ لیکن نہ یہ مضمون میرا ہے، نہ کبھی میرے علم میں یہ بات آئی کہ ۱۹۴۶ء میں مذکورۂ بالا ماہ نامے نے میرے نام سے شائع کیا تھا، اور نہ اُسے کتابچہ کی صورت میں شائع کرنے سے پہلے مجھ سے کوئی اجازت لی گئی۔ یہ طریقہ سخت قابلِ اعتراض ہے۔

تمام ناشرین سے گزارش ہے کہ وہ میرے نام سے کوئی کتاب یا کتابچہ میرے علم میں لائے بغیر اور مجھ سے تحریری اجازت لیے بغیر شائع نہ کریں۔

——ابوالاعلیٰ مودودی——

محرکات کا صاف اندازہ ہوتا ہے۔

انگلستان میں قومی مذہب کی بنیاد ہنری ہشتم کے عہد سے پہلے پڑ چکی تھی اور ملک کے حکمراں، سرمایہ دار اور برسراقتدار طبقے اس بات کے آرزومند تھے کہ کوئی طاقتور ہاتھ مذہب کی بالادستی ختم کرکے اسے قومی مفادات کے سامنے سرنگوں کردے۔ لیکن اس کشمکش نے فیصلہ کن صورت ہنری ہشتم کی ازدواجی زندگی کے مسئلہ پر اختیار کی۔ بادشاہ اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے کر دوسری شادی کرنا چاہتا تھا۔ مگر پوپ اس کی اجازت دینے پر آمادہ نہ تھا۔ اس سلسلے میں سرکردہ پادریوں کا ایک وفد بلایا گیا اور ان سے کہا گیا کہ وہ اس معاملے میں شاہ کی تائید کریں ورنہ انہیں قتل کردیا جائے گا۔ چنانچہ سب نے موت کے خوف سے شاہ کی طرف سے پیش کردہ اجازت نامے پر دستخط کر دیئے۔ اسی اثناء میں ایک عمر رسیدہ پادری اٹھا اور اس نے کہا۔ حضورا یہ اجازت نامہ اس وقت تک دفتر بے معنی ہے جب تک سر ٹامس مور اس پر اپنے دستخط ثبت نہ کردے۔ چنانچہ ٹامس مور کو حکم دیا گیا کہ وہ اس کی توثیق کرے۔ لیکن اُس نے صاف انکار کر دیا۔ شاہ نے اسے سزا دینے کے لیے ایک ٹریبونل قائم کیا جس نے اسے بادشاہ، ملک اور قوم کا دشمن گردانتے ہوئے موت کی سزا کا حکم سنایا۔ ٹامس مور نے تختہ دار پہ کھڑے ہو کر جان، جان آفرین کے حوالے کرنے سے پہلے جو الفاظ کہے وہ قومیت اور مذہب کی باہمی کشمکش کے سلسلے میں غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں اس شخص نے کہا:

> "میں نے نہ تو بادشاہ سے غداری کی ہے، نہ ملک سے اور نہ قوم سے۔ میں بہرحال اپنے مالک کا اس بناء پر شکر گزار ہوں کہ میں اس ذات برحق کا ہمیشہ وفاشعار رہا ہوں جس کی اطاعت میرا اولین فرض ہے۔"

ان الفاظ کے پس پردہ اگر جھانک کر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ بلند ہمت انسان نیشنلزم کے عارضہ میں مبتلا ذہنوں پہ ماتم کر رہا ہے جنہوں نے غلطی سے یہ فرض کر لیا ہے کہ قوم کی خدمت اسی صورت میں ممکن ہے جب انسان خدا اور مذہب سے بے وفائی کرنے پہ تیار ہو اور اگر وہ خدا، رسول اور دین کی اطاعت کو اپنی زندگی کا بنیادی مقصد سمجھتا ہے اور جملہ وفاداریوں کو دین کی وفاداری کے تابع رکھ کر زندگی بسر کرنے کا عزم رکھتا ہے تو وہ لازمی طور پہ ملک و قوم کے مفادات کا دشمن ہی ہے۔ معلوم نہیں کہ قومیت کے علمبرداروں کو اس بات کا شعور ہے یا نہیں لیکن یہ بات بالکل صحیح

ہے کہ انسان فطری طور پر صرف معبود واحد کی بندگی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اگر وہ خداوند تعالیٰ کو اپنا معبود ٹھہراتا ہے تو پھر تعلقات کی ساری عمارت اس معبودِ حقیقی کی خوشنودی اور ناراضگی کے مطابق استوار کی جائے گی اور اگر وہ قوم اور ملک کو اپنا معبود بناتا ہے تو پھر زندگی کی ساری اقدار اسی کے مطابق متعین کی جائیں گی اور خدا اور مذہب کے ساتھ تعلق قومی اور ملکی مفادات کے تابع ہوگا۔

بعض لوگ مسلم قومیت کے خلاف اسلام کے اس موقف کو سُن کر بڑی سادگی سے یہ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام مسلم قوم کے مفادات اور اس کی ترقی کا دشمن ہے۔ یہ لوگ دینِ حق کے خلاف اپنے دل کی کدورت کو چھپانے کے لیے بڑی عیاری سے اسلام کی بجائے 'مُلّاں' کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ لیکن اُن کے اندازِ فکر اور اندازِ بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کے ذہن میں جو چیز پرورش پا رہی ہے وہ یہ ہے کہ اسلام مسلم قوم کی ترقی کی راہ میں حائل ہے اس لیے اُس سے کسی طرح پیچھا چھڑانا چاہیئے یا اگر یہ بات موجودہ حالات میں جلد ممکن نہ ہو تو پھر قومی مفادات کے نام پر دینِ حق کے اندر تعبیر و تاویل کے ایسے چور دروازے نکالنے کی ضرورت ہے جہاں سے قوم گزر کر جو چاہے کرتی پھرے اور عوام الناس کو اس امر کا احساس بھی نہ ہونے پائے کہ اُس نے دینی حدود کو توڑنے اور پامال کرنے کا جرم کیا ہے۔

یہ ضروری نہیں کہ قومی مفادات اور دینی تقاضے لازمی طور پر ہر مرحلے میں ایک دوسرے سے متصادم ہی ہوں بلکہ بسا اوقات تو یہ دیکھا گیا ہے کہ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کے ہم عناں ہوتی ہیں اور قومی مفادات دینی تقاضوں کو پورا کرنے کی وجہ سے بہتر طور پر حاصل ہو جاتے ہیں۔ لیکن دین کے علمبرداروں اور قومیت کے پرستاروں کے درمیان فیصلہ کن چیز یہ ہوتی ہے کہ جب ان دونوں میں تصادم ہو جائے تو کونسا طرزِ عمل اختیار کیا جائے۔ دین کے علمبرداروں کا موقف یہ ہوتا ہے کہ ایک مخلص اور سچے خدا پرست کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر معاملے میں یہ دیکھے کہ اس بارے میں خدا کا حکم کیا ہے اور صرف اسی حکم کو بجا لانے کی پوری کوشش کرے خواہ اس کی بجا آوری میں اسے یا اس کی قوم کو بظاہر کتنا بڑا نقصان اٹھانا پڑے۔ کلمہ طیبہ میں اثبات سے پہلے نفی کا ذکر اس حقیقت کی طرف نہایت واضح طور پر اشارہ کرتا ہے اس کے برعکس قومیت کے پرستاروں کے نزدیک مذہب ایک مفید شے ہے بشرطیکہ وہ قومی مفادات سے متصادم نہ ہو لیکن جہاں

اس بات کا کوئی معمولی خدشہ بھی نظر آتا ہو کہ کسی دینی حکم کی پیروی سے ان کی قوم کو کسی ادنیٰ سے دنیوی مفاد سے محروم ہونا پڑیگا تو قوم سے محبت اور وفاداری کا تقاضا یہ ہے کہ اس دنیاوی مفاد کی خاطر دین کے اصول کو قربان کر دیا جائے۔

تاریخ پاک و ہند میں اسلام اور مسلم قومیت کے درمیان یہ آویزش یوں تو خاصی دیر سے چلی آرہی ہے۔ لیکن اس نے تصادم کی صورت سرسید کی تحریک اصلاح مذہب کے بعد اختیار کی ہے اور مسلم قوم کو ایک ایسے مقام پر لا کھڑا کیا ہے جہاں قوم کو اس امر کا قطعی فیصلہ کرنا ہوگا کہ کیا اسے دین کی علمبردار بن کر، اپنے مفادات کو دین کے تابع رکھ کر زندگی بسر کرنا ہے یا قومی مفادات کے نام پر دین کے اصولوں کو قربان کر کے یا دین کو اہل یورپ کے قومی ادیان کی طرح بالکل بے جان اور غیر موثر بنا کر زندہ رہنا ہے۔ مولانا محترم نہ تو قوم کے بدخواہ ہیں اور نہ اس کے دنیوی مفادات کے دشمن اور نہ اس کی کسی جائز اجتماعی آرزو کے مخالف۔ ان کا اور ان کے رفقاء کار کا اگر اس سلسلے میں کوئی جرم ہے تو صرف یہ ہے کہ وہ خدا کی اطاعت اور اس کے ساتھ وفاداری کو مسلمانوں کا اولین فرض قرار دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ دنیا کی ہر چیز کے ساتھ آدمی کی وفاداری حق کے ساتھ وفاداری کے تابع ہونی چاہیئے۔

انسانوں کا یہ گروہ جسے اللہ تعالیٰ نے شاہد علی الناس کے نام سے پکارا ہے اور جسے امتِ وسط کے معزز لقب سے ملقب کیا ہے خدا اور خلق کی نظر میں اس وقت تک کسی عزت و تکریم کا مستحق ہے جب تک کہ وہ اپنے قول و عمل سے یہ ثابت نہ کر دے کہ وہ زندگی کے ہر معاملے میں حق کا داعی اور علمبردار ہے اور اس کی خاطر ہر دوسرے مفاد کو قربان کرنے کے لیے آمادہ ہے، خواہ یہ مفادات ذاتی نوعیت کے ہوں یا اجتماعی نوعیت کے، چھوٹے ہوں یا بڑے۔ مولانا محترم کے مخالفین نے ان کے خلاف جرائم کی جو لمبی چوڑی فرد تیار کی ہے اگر اس پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان سب جرائم کے عنوان اگرچہ جدا جدا ہیں مگر ان کی اصل ایک ہی ہے کہ وہ بنی نوع انسان سے اور خصوصاً مسلمانوں سے یہ کہتے ہیں کہ نفس پرستی، قوم پرستی، وطن پرستی اور مفاد پرستی کے بجائے خدا پرستی کی روش اختیار کرو کیونکہ خدا کا دین تم سے بحیثیت بندۂ رب اسی بات کا متقاضی ہے۔ اگر یہ فی الحقیقت جرم ہے تو پھر مولانا محترم اور ہم سب مجرم ہیں اور اپنے اس جرم پر نادم اور پشیمان ہونے کے بجائے ہم سب

رب العزت کا شکر بجالاتے ہیں کہ مفاد پرستی اور قوم پرستی کے اس تاریک دور میں اُس نے ہمیں، ہماری بہت سی کوتاہیوں کے باوجود حق کی سربلندی اور خدا پرستی کی تبلیغ کی توفیق عطا کی ہے۔

جماعت اسلامی کی دعوت کی طرح اس کا طریق کار بھی مختلف حلقوں میں بڑی بے جا تنقید کا ہدف بنا رہتا ہے۔ کسی گوشے سے یہ آواز سنائی دیتی ہے کہ جماعت نے اقامت دین کے جس مقدس کام کا آغاز کیا تھا اسے چھوڑ کر اب اس نے سیاست کا ناپاک دھندا شروع کر دیا ہے، کسی گوشے میں یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ جماعت اسلامی نے اسلامی نظام حیات کی عملداری ترک کر کے اب جمہوریت کی سربلندی کو اپنا مسلک ٹھہرالیا ہے، کسی گوشے سے اُسے نصب العین سے انحراف کے طعنے دیئے جاتے ہیں۔ لیکن اگر ان سارے اعتراضات پر سنجیدگی سے غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جماعت اسلامی کے قافلے کو آگے بڑھانے کے لیے اس کے قائدین کو مختلف مراحل پر جو مختلف تدابیر اختیار کرنی پڑتی ہیں انہیں بدقسمتی سے نصب العین سے انحراف سمجھ لیا جاتا ہے۔ جماعت اسلامی کا طریق کار بڑا سادہ، فطری اور دینی تقاضوں کے عین مطابق ہے اور وہ یہ ہے کہ دعوتِ دین کے کام کو زیادہ سے زیادہ پھیلایا اور مؤثر بنایا جائے اور اسلامی نظام حیات کے قیام کے لیے راہ ہموار کی جائے۔ ظاہر بات یہ ہے کہ اس کام کے لیے جو تدابیر اختیار کی جائیں گی ان سب کے پیچھے اگرچہ روح ایک ہی کارفرما ہوگی مگر حالات کے اختلاف کی وجہ سے ان کی ہیت مختلف ہوگی۔ کیا پاکستان، بھارت، انگلستان، افغانستان اور روس ان سب ممالک میں دعوتِ دین کے کام کو ایک ہی انداز سے آگے بڑھانا ---- ممکن ہے۔ ان میں اس دعوت کو پھیلانے کے لیے ہر ملک کے مخصوص حالات کو سامنے رکھ کر ہی کام کا کوئی نقشہ تیار کیا جائے گا۔

پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد جماعتِ اسلامی کی سیاست میں غیر معمولی دلچسپی کی وجہ یہ نہیں کہ اب اس نے اللہ کے دین کے کام کو چھوڑ کر حصولِ اقتدار کو اپنا مقصود بنالیا ہے۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جماعت اسلامی ایمانداری سے یہ سمجھتی ہے کہ اگر یہاں کے عوام اپنی دینی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے اس ملک کی زمام کار خدا ترس لوگوں کو سونپ دیں تو اس سے نہ صرف ملک مضبوط اور قوم متحد ہوگی بلکہ ملک و ملت کے وسیع ذرائع سے دعوتِ دین کے کام کو بین الاقوامی سطح پر بڑی تیزی کے ساتھ آگے بڑھایا جا سکے گا اور وہ ذرائع جو اب دین کی راہ روکنے کے لیے استعمال کیے جا رہے ہیں وہ

حق کی سربلندی کے لیے استعمال کیے جا سکیں گے۔

اسی طرح اگر جماعت اسلامی ملک میں جمہوریت کے فروغ پر زور دے رہی ہے تو اس کا سبب یہ نہیں کہ جمہوریت اب اس کا جزو ایمان بن گئی ہے۔ وہ آج بھی مغربی جمہوریت کو اسی طرح کا ایک کافرانہ نظام سمجھتی ہے جس طرح کہ پہلے سمجھتی تھی اور جس کی شد و مد سے مخالفت کرتی رہی ہے۔ وہ اگر آج جمہوریت کی حامی ہے تو مغربی جمہوریت کی نہیں بلکہ اسلامی جمہوریت کی اور موجودہ حالات میں وہ جمہوریت کے حق میں جو رائے عامہ ہموار کر رہی ہے تو محض اس بنا پر کہ آمریت کے مقابلے میں جمہوری نظام کے اندر کام کرنے کی نسبتاً زیادہ آزادی ہوتی ہے۔ ہمیں جمہوریت کی غیر مرئی اور بے رحم جکڑبندیوں کا بخوبی اندازہ ہے اور ہمیں یہ بات بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ اس نظام کا پورا تانا بانا ہی اس انداز سے تیار کیا جاتا ہے جس میں کوئی مخالف نظام بڑی آسانی کے ساتھ پنپ نہیں سکتا۔ لیکن پاکستان کے مخصوص فکری پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہاں اگر آمریت کے بجائے صحیح جمہوری نظام بھی باقی رہ جائے تو دعوتِ دینی کے کام کو مستبد آمرانہ نظام کے مقابلے میں نسبتاً آسانی کے ساتھ آگے بڑھانا ممکن ہوگا۔ اگرچہ اس میں بھی بہت کچھ دشواریاں پیش آئیں گی۔ جمہوریت ہماری منزلِ مقصود نہیں بلکہ منزلِ مقصود تک پہنچنے کا محض ایک ذریعہ و تدبیر ہے۔ لیکن ہمارے کرم فرما دنیا کو یہ تاثر دے رہے ہیں کہ ہم نے اپنی منزل تبدیل کر کے اپنے اصل موقف سے انحراف کر لیا ہے اور ایک کافرانہ نظام کے حفظ و بقا کے لیے اپنی قوتیں ضائع کر رہے ہیں۔

خـــالی صفحـــه